قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۷۶ شمارہ: ۱۰

شوال المکرم: ۱۴۳۴ھ - ستمبر: ۲۰۱۳ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زرِ سالانہ: ۳۵۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

ماہنامہ ''بینات'' پوسٹ بکس نمبر 3465، کراچی 74800

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 74800

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون دفتر بینات: 34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 Ext. 146 - 147

فیکس: +92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk **Email**: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مطبع: ایجوکیشنل پریس طابع: فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

تحفظِ ناموسِ رسالت قانون کو ختم کرنے کی سازش!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
جدید طلبہ کے لیے داخلہ کا اعلان!	۱۰	ادارہ

مقالات و مضامین

موجودہ معاشی بحران اور اُس کے رفع کرنے کی تدابیر	۱۲	حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ
مسجد اقصیٰ کی تولیت اور عمار خان ناصر کی تحریرات (پہلی قسط)	۲۴	مولانا سمیع اللہ سعدی
برقی تصویر (پانچویں قسط)	۳۴	مفتی شعیب عالم
اکابر دیوبند اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ تبلیغ اسلام	۳۸	مفتی عارف محمود
دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے	۴۷	یریدا احمد نعمانی
مقاصدِ نکاح اور اُس کی اہمیت	۵۰	ابو محمد علوی

یادِ رفتگاں

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر ؒ کی یاد میں	۵۵	ڈاکٹر خالد محمود سومرو

دار الافتاء

بینک میں فریڈم اکاؤنٹ کھولنا اور بینک سے قرض لینے یا دینے کا حکم!	۶۱	ادارہ

تحفظِ ناموسِ رسالت قانون کو ختم کرنے کی سازش!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی

۲۸؍ جولائی ۲۰۱۳ء بروز اتوار روزنامہ امت میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ امریکہ کے وزیرخارجہ جان کیری کے مجوزہ دورۂ پاکستان کے موقع پر جہاں اور باتیں اور نئے عہد و پیمان ہوں گے، وہاں امریکہ کی پارلیمنٹ کے سینئر ۲۷؍ارکان نے امریکی وزیرخارجہ کو لکھے ایک خط میں مطالبہ کیا ہے کہ وہ دورۂ پاکستان کے دوران وہاں مذہبی آزادی کو یقینی بنائیں۔ اس خبر کی تفصیل یہ ہے:

''اسلام آباد/ واشنگٹن (مانیٹرنگ ڈیسک/ ایجنسیاں) امریکی محکمہ خارجہ کی جانب سے اس بات کی تصدیق کے باوجود کہ جان کیری ۲۹ یا ۳۰؍ جولائی کو پاکستان کا دورہ کرسکتے ہیں، حتمی تاریخ کے حوالے سے ابہام تاحال باقی ہے۔ واشنگٹن میں بریفنگ دیتے ہوئے نائب ترجمان مری ہارف نے بتایا کہ وزیرخارجہ ۲۹ اور ۳۰ جولائی کو پاکستان جانے کا سوچ رہے ہیں، جہاں وہ بہت سے معاملات پر بات چیت کرسکتے ہیں، تاہم یہ بات قطعی طور پر نہیں بتائی جاسکتی کہ وہ کب جائیں گے۔ امریکی ایلچی جیمز ڈوبنز کے رواں ہفتے اسلام آباد جانے کے سوال پر انہوں نے کہا کہ وہ اس حوالے سے کچھ نہیں کہہ سکتیں۔ اسی دوران ۲۷؍سینئر ارکانِ پارلیمنٹ نے وزیرخارجہ کو لکھے ایک خط میں مطالبہ کیا ہے کہ وہ دورۂ پاکستان کے دوران وہاں مذہبی آزادی کو یقینی بنائیں۔ خط کے متن کے مطابق امریکی ارکانِ پارلیمنٹ نے پاکستان میں غیرمسلم اقلیتوں خصوصاً ہندو، عیسائی، احمدی مذہب کے ماننے

والوں اور شیعہ فرقے کے خلاف بڑھتے ہوئے تشدد کے واقعات پر شدید تحفظات کا اظہار کیا اور زور دیا کہ محکمہ خارجہ مذہبی آزادی کے فروغ کے لیے پاکستان کے ساتھ مل کر اقدامات کرے، جن میں توہین رسالت کے قانون اور اقلیتوں کے ساتھ ساتھ خواتین اور لڑکیوں کی کم تر حیثیت کو ادارتی صورت دینے کے حوالے سے کوئی بھی آئینی شق یا قانون کی تبدیلی یا خاتمہ شامل ہیں۔خبر ایجنسی آئی این پی کے مطابق اسلام آباد میں اعلیٰ حکام نے جان کیری کے مجوزہ دورے کے حوالے سے تیاریاں شروع کردی ہیں۔بعض مذہبی جماعتوں کے قائدین سے ملاقاتیں فائنل کرلی گئیں اور حتمی شیڈول طے کرنے کے لیے ہوم ورک کیا جارہا ہے۔ذرائع کے مطابق جے یو آئی (ف) کے امیر مولانا فضل الرحمٰن اور متحدہ دینی محاذ کے سربراہ مولانا سمیع الحق سے روابط اور ملاقاتوں کی درخواست امریکہ کی طرف سے کی گئی۔ (روزنامہ امت، ۲۸؍جولائی ۲۰۱۳ء مطابق ۱۸؍رمضان ۱۴۳۴ھ)

اس خط کے مندرجات میں ایک ہی سانس میں بیک وقت جہاں مذہبی آزادی کا ذکر کیا گیا، قانونِ ناموسِ رسالت کو تبدیل کرنے یا ختم کرنے کی بات کی گئی، وہاں یہ خط پاکستان اور پاکستانی قوم کے لیے مستقبل میں پیش آمدہ خطرات کی عکاسی اور چغلی بھی کھارہا ہے۔

وہ اس طرح کہ امریکہ، مغربی استعمار اور اس کے حواری قادیانی یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں بھی مذہبی آزادی کے نام پر خلفشار رہو، اختلاف ہو، لڑائی جھگڑا اور خانہ جنگی ہو، جیسا کہ تقریباً پوری اسلامی دنیا میں یہ سب کیا جارہا ہے۔حالانکہ پاکستان میں آئین پاکستان کی رو سے ہر ایک مذہب والے کو مذہبی آزادی حاصل ہے، چاہے وہ ہندو ہوں یا عیسائی، آج تک اُنہیں اپنے مذہب کے حوالے سے مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ان سے اور نہ ہی حکومت سے کبھی ان کو کوئی معقول شکایت ہے اور نہ رہی ہے۔

اس کے برعکس طاقت کے غرور اور تکبر کے نشے میں بدمست ہوکر مسلمانوں کی طاقت کو توڑنے، انہیں کمزور کرنے اور اپنی ہوسِ انتقام کا نشانہ بنانے کے لیے امریکہ نے پوری دنیا کے سامنے عراق میں کیمیائی ہتھیاروں کی موجودگی کا سفید جھوٹ بول کر اقوامِ متحدہ کو اپنے ساتھ ملا کر عراق پر چڑھائی کی، وہاں کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا، ان کی آبادیوں کو تباہ و برباد اور مسمار و ویران کیا اور آج تک وہاں بم دھماکے اور فسادات ہورہے ہیں۔اسی طرح اس سے پہلے نائن الیون کا ڈرامہ رچا کر افغانستان پر یلغار کردی اور کئی سال تک وہاں بمباری اور اپنے فوجیوں کے ذریعے نہتے معصوم مسلمانوں کا قتل عام کیا۔اسی طرح انہیں کی سازشوں اور شہہ سے شامی فوج سنی عوام کو گاجر مولی کی

طرح کاٹ رہی ہے، حتیٰ کہ وہاں صحابہ کرامؓ واہل بیتؓ کے مزارات پر بم برسا کر مقدس مقامات کو مسمار کیا جارہا ہے۔ مصر میں منتخب حکومت کو بمشکل ایک سال ہی گزرا تھا کہ اس کا تختہ الٹ کر مصری عوام کو خانہ جنگی کی طرف دھکیل دیا گیا اور مظاہرین پر عین نماز کی حالت میں گولیاں برسا کر ایک ایک وقت میں سینکڑوں نمازیوں کو جامِ شہادت پلا دیا گیا اور ابھی تک وہاں صورتِ حال کنٹرول سے باہر ہے، نامعلوم ابھی کتنا مزید مظلوم مسلمانوں کو ظلم وستم اور تشدد وبربریت کا سامنا کرنا پڑے گا اور کتنے مصری نوجوان وبزرگ اس بربریت کی بھینٹ چڑھ کر شہداء کی فہرست میں داخل ہوں گے۔ ادھر بنگلہ دیش میں جہاں حکومت اپنے مخالفین جماعت اسلامی کے لیڈروں کو سزائے موت اور عمر قید کی سزائیں سنا رہی ہے، وہاں سے کئی حلقوں کی جانب سے یہ خبریں بھی گشت کر رہی ہیں کہ مسلمان مظاہرین پر حملہ کرا کے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور ان کی نعشوں کو کنٹینروں میں بھر بھر کر سمندر برد کیا گیا۔ یہ سب کچھ مسلمان ممالک میں ہورہا ہے۔ قتل کرنے والے بھی مسلمان اور قتل ہونے والے بھی مسلمان۔ اور ادھر برما میں ایک سال سے زائد عرصہ ہوگیا کہ وہاں کے مسلمانوں کو ذبح کیا جارہا ہے، ان کی عورتوں کی عصمتیں تارتار کی جارہی ہیں، ان کے بچوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جارہا ہے، ان کے بزرگوں کو دردناک اذیتیں دی جارہی ہیں۔ امن کے ٹھیکیدار، انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں اور اقوام متحدہ جیسا امریکہ کا طفیلی ادارہ اس تمام تر صورت حال پر نہ صرف یہ کہ مہر بلب ہیں، بلکہ محسوس یوں ہوتا ہے کہ وہ حقیقت میں اس پر خوش بھی ہیں کہ چلو مسلمان قتل اور ذبح ہو رہے ہیں۔

اور اب مذہبی آزادی کا ڈرامہ رچا کر یہ خانہ جنگی پاکستان منتقل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دنیا کا باشعور اور دانشور طبقہ بخوبی جانتا ہے کہ یہی استعمار ہی تھا کہ جس کی درپردہ سازشوں نے پاکستان میں لسانیت، قومیت اور صوبائیت کو ایک مدت تک ہوا دی اور ہزاروں بے گناہ انسان ان تعصّبات کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اسی نے فرقہ وارانہ تعصّبات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور سنی، شیعہ عوام کو باہم دست وگریباں کرا کے ہزاروں قیمتی جانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، اب ایک بار پھر اس مذہبی آزادی، اقلیتوں کے حقوق اور فرقوں کی مظلومیت کے عنوان سے فرقہ وارانہ آگ بھڑکانے کی مذموم اور مسموم سازش کی جارہی ہے۔

سنی علماء ہوں یا شیعہ ذاکرین، سب ہی جانتے ہیں کہ ہم سب دہشت گردی کا شکار ہیں اور ہمیں قتل کرنے والا کوئی تیسرا فریق ہے جو کبھی کسی لباس میں نمودار ہوتا ہے تو کبھی کسی اور لبادہ میں شب خون مارتا ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی صفوں کو متحد رکھیں، اس دہشت گردی سے جان چھڑانے کے لیے سر جوڑ کر کسی ایک پلیٹ فارم پر بیٹھیں اور باہم اتفاق سے اس

عفریت سے جان چھڑائیں، ورنہ ہمارا مشترک دشمن چھوٹی چھوٹی باتوں کو پروان چڑھا کر اور نت نئے عنوان اور ٹائٹل لگا کر ہمیں اسی طرح باہم دست وگریباں کردے گا، جس طرح کہ عراق، شام، مصر اور بنگلہ دیش کی عوام اور حکومت کے افراد باہم دست وگریباں ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ اسلام دشمن عناصر اس طرح فرقہ وارارانہ فسادات کرا کر ناموس رسالت کے قانون کے تحفظ سے ہماری توجہات ہٹا کر اپنے مہروں کو استعمال کر کے اس قانون کو ختم کرانا چاہتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو بیدار رہنا چاہیے اور ان کی خفیہ اسکیموں اور تدبیروں کو ہر ممکن طریقہ سے ناکام بنانے کی سعی وکوشش کرتے رہنا چاہیے۔

تاریخ شاہد ہے اور ماضی کے حالات اور واقعات بتلاتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اور ان کے ایجنٹ وقتاً فوقتاً آنحضرت ﷺ کی شانِ عالی میں گستاخی کا ارتکاب کر کے مسلمانوں کو تڑپاتے رہتے ہیں۔ یقین کی حد تک کہا جاسکتا ہے کہ ایسے گستاخانِ رسول اور ان کی پشت پناہی کرنے والے دین دشمن لوگ محض مسلمانوں کو مضطرب وپریشان کرنے اور ان کے دلوں کو چھلنی کرنے کے لیے ایسی گستاخیاں کرتے ہیں۔ چونکہ یہ قانون ان کے عزائم کی تکمیل اور ان کی راہ میں حائل ہے، اس لیے مختلف حیلوں بہانوں سے اس قانون کو ختم کرنے یا کم ازکم اُسے تبدیل کرنے کی سازشیں کررہے ہیں۔

پاکستان جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا اور آج تک ہر چودہ اگست کے دن یہ لفظ زیادہ سننے اور پڑھنے کو ملتا ہے کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لاإلٰہ إلا اللّٰہ'' آج اسی پاکستان میں چور، ڈاکو، زانی، راشی، ملکی استحکام کے خلاف بولنے والے اینکروں اور ملکی سالمیت کو داؤ پر لگانے والے بعض سیاستدانوں جیسے مجرموں اور بدکرداروں وغیرہ سے لے کر ملکی خزانہ لوٹنے اور ہڑپ کرنے والے ملک دشمنوں اور غداروں تک کے کچھ نہ کچھ حقوق اور مراعات کو تحفظ اور پشت پناہی حاصل ہے، لیکن دینِ اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ، صحابہ کرامؓ، دینی اقدار واخلاقیات اور مذہبی مقامات کو نہ تو کوئی خاطر خواہ تحفظ حاصل ہے اور نہ ہی اُن کی صیانت وحفاظت کے لیے کوئی قانون حرکت میں آتا ہے اور نہ ہی اُن کی بے اکرامی اور توہین کرنے والوں کو کیفرکردار تک پہنچایا جاتا ہے۔

حد تو یہ ہے کہ وہ چند قوانین اور دفعات جو امت مسلمہ کی عظیم قربانیوں اور علمائے کرام کی طویل جدوجہد، کوششوں اور کاوشوں کے بعد وضع کیے گئے' مغربی استعمار، اُن کے زرخرید ایجنٹوں، آئین پاکستان کے باغی قادیانیوں اور قادیانی نوازٹولے نے روزِ اول سے ہی ان قوانین کو دل سے قبول نہ کرنے کا تہیہ کر کے اُنہیں آئین پاکستان سے خارج کرنے اور غیر مؤثر بنانے کی مسلسل مذموم سازشیں اور ناپاک جسارتیں کرتے رہے اور آج تک ہورہی ہیں۔

انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قانونِ ناموسِ رسالت راتوں رات نہیں بنایا گیا اور نہ ہی راتوں رات اُسے نافذ کیا گیا، بلکہ تمام آئینی وجمہوری تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے قانون ساز اداروں میں پوری بحث وتمحیص کے بعد اُسے نافذ کیا گیا۔ اس کی کچھ روئیداد اور تفصیل یہاں نقل کی جاتی ہے:

تحفظ ناموسِ رسالت کا قانون ابتدائی طور پر انگریز کے دور میں بنا، جسے ۱۹۲۷ء میں تعزیراتِ ہند میں دفعہ ۲۹۵-الف سے موسوم کیا گیا اور اب مجموعہ تعزیرات پاکستان مطبوعہ یکم جولائی ۱۹۶۲ء میں درج ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

''دفعہ ۲۹۵-الف۔ جو کوئی شخص ارادتاً اور اس عداوتی نیت سے کہ پاکستان کے شہریوں کی کسی جماعت کے مذہبی احساسات کو بھڑکائے بذریعہ الفاظ زبانی یا تحریری اشکال محسوس العین اس جماعت کے معتقدات مذہبی کی توہین کرے یا توہین کرنے کا اقدام کرے، اُس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی، جس کی میعاد دو برس تک ہوسکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی''۔

چوہدری محمد شفیع باجوہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''یہ دفعہ ۱۹۲۷ء میں ایجاد کی گئی، تاکہ اگر کسی مذہب کے بانی پر توہین آمیز حملہ کیا جائے تو ایسا کرنے والے کو سزا دی جاسکے۔ اس سے پہلے اس قسم کے اشخاص کے خلاف دفعہ ۱۵۳-الف استعمال ہوا کرتی تھی، مگر ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ کی رو سے یہ طریقہ غلط قرار پایا۔ تقریر کرنے والے یا مضمون لکھنے والے''۔

(شرح مجموعہ تعزیراتِ پاکستان، ص:۱۲۱، ۱۲۲)

اس قانون میں جو انگریز کے دور میں بنایا گیا، توہین رسالت کے جرم کی یہ سزا ناکافی تھی، اس لیے ۱۹۸۴ء میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵-سی کا اضافہ کیا گیا اور اس کے ذریعہ اس جرم کی سزا' سزائے موت یا عمر قید مع جرمانہ تجویز کی گئی۔ اس دفعہ کا متن حسب ذیل ہے:

''جو شخص الفاظ کے ذریعے خواہ زبان سے ادا کیے جائیں یا تحریر میں لائے گئے ہوں، یا دکھائی دینے والی تمثیل کے ذریعہ یا بلاواسطہ یا بالواسطہ تہمت یا طعن یا چوٹ کے ذریعہ نبی کریم (حضرت) محمد ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرتا ہے، اس کو موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا''۔

قرآن وسنت کی روشنی میں توہین رسالت کی سزا صرف اور صرف موت ہی ہے اور تعزیرات پاکستان کی اس دفعہ ۲۹۵-سی میں اس جرم کی سزا' سزائے موت یا عمر قید مع جرمانہ تجویز

کی گئی تھی، اس لیے وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں اپنے ایک فیصلہ میں اس وقت کے صدرِ پاکستان کو ہدایت کی کہ ۳۰ر اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کی جائے اور اس دفعہ میں ''یا عمر قید'' کے الفاظ حذف کر کے توہین رسالت کی سزا صرف ''موت'' مقرر کی جائے اور فیصلہ میں مزید کہا کہ اگر اس تاریخ تک حکومت نے قانون میں اصلاح نہ کی تو اس تاریخ کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم قرار پائیں گے اور صرف سزائے موت کا قانون قرار پائے گا۔ اس مقررہ تاریخ تک حکومت نے اس قانون کی کوئی اصلاح نہ کی، اس لیے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے مطابق قانون یہ بن گیا کہ توہین رسالت کے جرم کی سزا صرف موت ہے۔

اس کے بعد قومی اسمبلی نے ۲ر جون ۱۹۹۲ء کو متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہین رسالت کے مرتکب کو سزائے موت دی جائے۔

پھر ۸ر جولائی ۱۹۹۲ء کو سینیٹ نے توہین رسالت کے مجرم کو سزائے موت کا ترمیمی بل منظور کیا اور بعد میں قومی اسمبلی نے بھی بحث وتمحیص کے بعد اس بل کو منظور کرلیا۔

خلاصہ یہ کہ شاتم رسول یا گستاخ رسول کو سزائے موت دینا حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے اسی پر فیصلے کیے، تمام فقہائے امت اس پر متفق ہیں اور تمام اسلامی حکومتوں میں ہمیشہ اس پر عمل درآمد رہا۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا توہین رسالت کے مجرم یا گستاخ رسول کو ریاست، عدالت، قاضی، جج یا پبلک معاف کرسکتی ہے یا نہیں؟ حافظ ابن تیمیہؒ اپنی کتاب ''الصارم المسلول'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''إن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لہ أن یعفو عمن شتمہ وسبہ فی حیاتہ ولیس لأمتہٖ أن یعفو عن ذلک''۔ (الصارم المسلول،ص:۱۹۵)

ترجمہ: ''آنحضرت ﷺ کو اپنی حیاتِ طیبہ میں یہ حق حاصل تھا کہ آپ ﷺ کو سب وشتم کرنے والے کو آپ ﷺ معاف فرمادیں، لیکن آپ ﷺ کے بعد امت کو معاف کرنے کا حق حاصل نہیں''۔

اس لیے آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں کسی دریدہ دہنی کرنے والے موذی کو معاف فرمایا یا کسی سے درگزر کا معاملہ کیا تو چونکہ یہ خالص آپ ﷺ کا حق تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اپنے حق کو معاف کیا تھا، لیکن امت کے حق میں یہ قانون' قانونِ الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے کہ شاتم رسول کو موت کی سزا دی جائے، اس لیے امت اس قانون کو منسوخ یا معطل کرنے اور شاتم رسول کو معاف کرنے کی مجاز نہیں۔

شنید ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے بھی آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۲۰۳ - ڈی

کے تحت حاصل اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے تعزیرات پاکستان مجریہ ۱۸۶۰ کی چند دفعات کا احکامِ اسلام کی روشنی میں از خود جائزہ لینے کا سلسلہ شروع کیا ہے، منجملہ ان میں دفعہ ۲۹۵، ۲۹۵-اے، ۲۹۵-سی، اور دفعہ ۲۹۸ جو توہین رسالت اور قرآن کریم کی توہین کے مجرم کے متعلق سزاؤں کو بیان کرتی ہیں، ان کے متعلق اسلام آباد اور لاہور سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور مشیرانِ فقہ کی آراء مانگی ہیں اور ان کو سن بھی چکی ہے۔

ہم بصد ادب واحترام وفاقی شرعی عدالت سے عرض کرنا چاہیں گے کہ جن دفعات میں خود وفاقی شرعی عدالت نے حکومت سے کہہ کر اصلاح کرائی ہو اور وہ مکمل آئینی طریقہ کار اور تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے آئین کا حصہ بنی ہوں، ان کے بارہ میں نئے سرے سے بحث کا آغاز کرنا اور مختلف علمائے کرام اور دارالافتاؤں سے اس کے بارہ میں استفسار کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس لیے ہماری درخواست ہے کہ اس قانون کو من وعن ایسے ہی رکھا جائے اور اس میں کسی قسم کی نئی بحث کا آغاز کر کے اس قانون کو کمزور نہ کیا جائے، ورنہ ہر آدمی قانون کو خود ہاتھ میں لے لے گا اور ملک میں انارکی اس حد تک پھیلے گی کہ جس کا سدباب کرنا حکومت اور انتظامیہ کے بس میں نہیں رہے گا۔

ماضی قریب میں بھی حکومتی سطح پر اس قانون کو تبدیل کرنے کی جسارت کی گئی تھی کہ جس پر کراچی تا خیبر تحریک چلی، جس سے حکومت اور انتظامیہ بے بس ہوگئی، بالآخر اس وقت کے وزیر قانون جناب بابر اعوان صاحب کی وزارت نے اس قانون کے تمام پہلوؤں پر قرآن وسنت کی روشنی میں غور وخوض کیا اور ایک جامع رپورٹ مرتب کر کے سابق وزیر اعظم جناب یوسف رضا گیلانی صاحب کو پیش کی، جس میں قرار دیا گیا کہ توہین رسالت کے مجرم کی سزا' سزائے موت ہی ہے اور اس سزا کو جوں کا توں ہی برقرار رکھا جائے۔

اس لیے حکومت سے ہماری التجا اور درخواست ہے کہ چاہے بیرونی دنیا کے لوگ ہوں یا اپنے ملک کے اندر رہنے والے اس قانون سے خائف افراد' اُن سب پر واضح کر دیا جائے کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے اور تمام مسلمان اپنے آقا رحمت عالم ﷺ سمیت تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور قرآن کریم کی عزت وحرمت کا تحفظ چاہتے ہیں، اس لیے اس قانون میں کسی قسم کی تبدیلی یا منسوخی ہم نہیں کر سکتے۔ اس لیے اس قانون کے متعلق ہم سے کسی قسم کی بات نہ کی جائے اور نہ ہی اس بارہ میں ہماری مسلم قوم کو مزید کسی پریشانی میں مبتلا کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ أجمعین

جدید طلبہ کے لیے داخلہ کا اعلان

ادارہ

جامعہ اور شاخہائے جامعہ میں نئے داخلوں کا آغاز ان شاء اللہ! مورخہ ۷/شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ، ۱۴/اگست ۲۰۱۳ء بروز بدھ سے ہوگا۔ درجہ سابعہ، اور اعدادیہ سال سوم کے علاوہ تمام درجات میں داخلہ کی محدود گنجائش ہے، داخلے کے خواہش مند طلبہ درج ذیل ہدایات پر عمل کریں:

۱- تخصص فی الفقہ میں داخلہ کی درخواست جمع کرانے کے لیے جامعہ کے طلبہ کا دورہ حدیث کے تینوں امتحانات میں مجموعی طور پر 70% نمبر کا حامل ہونا ضروری ہے، دیگر مدارس کے فضلاء کے لیے دورہ حدیث کے سالانہ امتحان میں ممتاز تقدیر کے ساتھ کامیابی لازمی ہے، جبکہ تخصص فی الحدیث کے امیدوار تمام طلبہ کے لیے دورہ حدیث کے سالانہ امتحان میں 70% نمبر کا حامل ہونا ضروری ہے۔

۲- دورہ حدیث میں داخلے کی درخواست جمع کرانے کے لیے درجہ سابعہ کے سالانہ امتحان میں 70% نمبر کا ہونا ضروری ہے۔

۳- درجہ سادسہ اور درجہ خامسہ میں داخلے کی درخواست جمع کرانے کے لیے درجہ رابعہ کے امتحان میں ممتاز تقدیر کے ساتھ کامیابی لازمی ہے، جبکہ دیگر درجات میں داخلہ کے لیے گزشتہ وفاقی درجہ میں جید جداً کی تقدیر سے کامیابی لازمی ہے، درجہ اولیٰ میں داخلہ کے لیے متوسطہ سوم میں جید جداً یا کم از کم مڈل پاس ہونا ضروری ہے۔

۴- درجہ اعدادیہ سال اول میں داخلے کے لیے طالب علم کا سن پیدائش ۱۹۹۹ء سے کم نہ ہو۔

۵- داخلہ کے لیے درج ذیل کوائف ہمراہ لائیں:

الف:...... ۱۸ سال یا اس سے زائد عمر کے طلبہ اصلی شناختی کارڈ اور اس کی ایک عدد فوٹو کاپی لائیں اور ایک حالیہ تصویر بھی ضرور ساتھ لائیں۔

ب:...... ۱۸ سال سے کم عمر کے طلبہ ب فارم یا پیدائشی سرٹیفکیٹ کے ساتھ اپنی حالیہ تصویر لائیں۔

ج:...... داخلے کے خواہش مند تمام طلبہ اپنے رشتہ دار سرپرست کے شناختی کارڈ کی مصدقہ فوٹو کاپی اور فون نمبر لائیں۔

د:...... سابقہ وفاقی درجے کی کشف الدرجات یا وفاق کا مصدقہ نتیجہ اور اس کی ایک فوٹو کاپی لائیں۔

ھ:...... درجہ ثانیہ کے لیے وفاق کا درجہ اولیٰ کا رجسٹریشن کارڈ اور اس کی فوٹو کاپی لائیں۔

و:...... درجہ اولیٰ اور درجہ ثانیہ کے لیے متوسطہ کا کشف الدرجات یا مڈل کا مصدقہ سرٹیفکیٹ اور اس کی فوٹو کاپی لائیں۔

نوٹ:.....سرپرست رشتہ دار سے مراد طالب علم کا وہ قریبی عزیز ہوگا جو طالب علم کی ہرقسم کی ضمانت اٹھائے، ادارے کی طلب پر حاضر ہوسکے، نیز بوقتِ ضرورت تحریری ضمانت نامہ بھی جمع کرائے۔

۶-داخلہ کی ترتیب حسب ذیل ہے:

پہلا مرحلہ:.....کوائف کی چیکنگ، داخلہ نمبر کا اجراء، قرآن مجید ناظرہ، نماز۔

دوسرا مرحلہ:.....تقریری امتحان

(یہ دونوں مرحلے **۱۴/اگست ۲۰۱۳ء بروز بدھ** سے **۲۰/اگست ۲۰۱۳ء بروز منگل** تک جاری رہیں گے)

تیسرا مرحلہ:.....تحریری امتحان **(۲۱/اگست ۲۰۱۳ء بروز بدھ)**

نوٹ: ۱-مقررہ تاریخ کے بعد درخواست جمع نہیں کی جائے گی۔

۲-ادارہ اپنے طور پر بھی کوائف کی پڑتال کرے گا، کوائف کی صحت اور پڑتال کے بارے میں ادارے کی رائے حتمی ہوگی۔

از دفتر تعلیمات

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

کتب امتحان برائے جدید داخلہ ۱۴۳۴ھ

درجات	کتب تقریری امتحان		کتب تحریری امتحان	
تخصص فی الحدیث	ہدایہ رابع	نخبۃ الفکر	مشکوٰۃ جلد اول	ہدایہ ثالث
تخصص فی الفقہ	ہدایہ رابع	نورالانوار	مشکوٰۃ جلد اول	ہدایہ ثالث
دورہ حدیث	مشکوٰۃ جلد ثانی	شرح نخبۃ الفکر	مشکوٰۃ جلد اول	ہدایہ ثالث
سادسہ	ہدایہ اول	مختصر المعانی جلد اول	حسامی	مختصر المعانی جلد ثانی
خامسہ	نورالانوار	شرح الوقایہ	شرح جامی	مقامات
رابعہ	اصول الشاشی	کنز الدقائق	نفحۃ العرب	نحو(کافیہ،شرح ابن عقیل)
ثالثہ	ہدایۃ النحو	مختصر القدوری	علم الصیغہ	القراءۃ الراشدۃ،معلم الانشاء
ثانیہ	نحو	صرف	اجراء صرف ونحو	الطریقۃ العصریۃ
اولیٰ	منتخب گردانیں	منتخب تعریفات	اردواملاء،خوش نویسی	
اعدادیہ دوم	انگریزی ریڈنگ	اردوخواندگی واملاء	انگریزی جماعت سوم	ریاضی جماعت سوم

موجودہ معاشی بحران

اوراُس کے رفع کرنے کی تدابیر، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

’’ظَهَرَ الْفَسَادُ فِیْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِی النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ‘‘۔ (الروم:۴۱)

ترجمہ:......’’انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بر و بحر میں فساد برپا ہے، تاکہ خدا اُن کی کچھ بداعمالیوں کا مزا اُن کو چکھاوے، شاید وہ باز آجائیں‘‘۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کو تباہ و برباد اور نظامِ معیشت کو درہم وبرہم کردینے والی تمام تر خرابیوں اور بدکاریوں کی جڑ قومی معیشت میں ہوسِ زر اور اس کے نتیجہ میں پروان چڑھنے والی ’’زراندوزی‘‘ ہے، جس کو معاشیات کی اصلاح میں اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کہتے ہیں۔

اسلام نے اس اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کی بیخ کنی کرنے اور دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے بچانے کی، یعنی سرمایہ کو متحرک رکھنے کی اور سمٹی ہوئی دولت اور منجمد سرمایہ کو گردش میں لانے کی تین تدبیریں تجویز کی ہیں:

۱:......انفاق۔ ۲:......زکوٰۃ وصدقات واوقاف۔ ۳:......توریث ووصیت۔

اور زراندوزی کو جنم دینے اور پروان چڑھانے والے تین حرام ذرائع: ۱:......سود اور سودی کاروبار، یعنی بینکاری۔ ۲:......جوا، سٹہ اور بیمہ کاری۔ ۳:...... بیوع فاسدہ۔ یعنی ناجائز معاملات کو قطعاً حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ہم اول مذکورہ بالا تدابیر پر قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں تفصیلی بحث کریں گے، اس کے بعد زراندوزی کو جنم دینے والے حرام ذرائع پر مفصل بحث کریں گے اور قومی معیشت میں ان کے متبادل صحیح طریق کار بتلائیں گے، ان شاء اللہ العزیز! تاکہ مکمل طور پر اسلام کا اقتصادی نظام سامنے آجائے۔

۱:......انفاق

منجمد سرمایہ اور زر اندوز طبقہ

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

’’وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَايُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ‘‘۔(التوبہ:۳۴،۳۵)

ترجمہ:......’’اور جو لوگ سونے، چاندی کو دبا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (اے نبی!) تم ان کو بشارت دے دو دردناک عذاب کی، جس دن اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو، پہلوؤں کو اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہی سونا چاندی تو ہے جو تم نے اپنے لیے دبا کر رکھا تھا، پس اب چکھو اس کو دبا کر رکھنے کا مزا‘‘۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ جو بھی سونا چاندی یعنی سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ نہ کیا جائے، یعنی ایک یا چند ہاتھوں میں جمع ہو کر جام ہو جائے، وہ کنز ہے اور اس کا اکتناز‘ حرام اور موجبِ عذاب شدید ہے، لیکن جو سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا جاتا رہے، یعنی مختلف ہاتھوں میں گردش کرتا رہے، آتا رہے، جاتا رہے، وہ خواہ کتنا ہی وافر کیوں نہ ہو، اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے، جس کا شکر اللہ کے حکم کے مطابق اس کا اظہار یعنی خرچ کرنا ہی ہے، ارشاد ہے: ’’وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ‘‘اور ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق وہ اکتسابِ خیرات وحسنات کے لیے بہترین معاون ہے، ارشاد ہے: ’’نعم العون المال الحلال ‘‘۔(الحدیث)

اسلام‘ حکومت کو بھی اکتنازِ زر کی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ محاربات میں حاصل شدہ دشمنوں کے اموال...مالِ غنیمت...کو بھی...جو بظاہر خالص حکومت کی آمدنیاں ہیں...دوسرے عام انفاقات کی طرح غانمین اور فقراء و مساکین وغیرہ پر تقسیم کر دینے کا حکم دیتا ہے، قرآن عزیز کا حکم ہے:

’’وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ‘‘۔ (الانفال:۴۱)

ترجمہ:......’’اور یاد رکھو! جو کچھ بھی تم کو مال غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے واسطے، رسول کے واسطے اور رسول کے قرابت داروں کے واسطے اور

یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ہے‘‘۔

چنانچہ کل مال غنیمت کے چار حصے غانمین ...شریک جنگ مجاہدین... کے ہوتے ہیں اور پانچواں حصہ مذکورہ بالا مدات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اور نہ ہی چند دولت مندوں کو مزید دولت مند بنانے کا اختیار دیتا ہے، چنانچہ مال فئے ...بغیر جنگ کیے دشمنوں کے حاصل شدہ اموال... کو مستحقین پر تقسیم کرنے کے حکم کے ذیل میں انجمادِ دولت کے خطرہ سے قرآن عظیم نے ذیل کے الفاظ میں متنبہ فرمایا ہے:

’’وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَايَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ‘‘۔ (الحشر:۷)

ترجمہ:......’’اور جو مال اللہ نے بستی والوں سے بغیر جنگ کیے اپنے رسول کو پہنچایا، پس وہ اللہ کے واسطے، رسول کے واسطے اور اس کے قرابت داروں کے واسطے ہے اور یتیموں کے محتاجوں کے، مسافروں کے واسطے ہے، تاکہ مال تم میں سے (صرف) وہ دولت مندوں کے درمیان ہی آنے جانے والا نہ ہو جائے‘‘۔

انفاق کے دو مرتبے

اس انفاق فی سبیل اللہ... اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے رہنے... کے دو درجے ہیں: ایک ادنیٰ، جس کے بعد جمع شدہ مال شرعاً کنز نہیں رہتا۔ دوسرا اعلیٰ جو عند اللہ مطلوب ہے۔ ادنیٰ درجہ کو حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

’’**كل مال أدى زكاته فهو ليس بكنز**‘‘۔ (ترمذی، جلد اول)

ترجمہ:......’’ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی، وہ کنز نہیں ہے‘‘۔

اس کی تفصیل ہم زکوٰۃ کے ذیل میں بیان کریں گے۔

اعلیٰ مرتبہ کو قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

’’يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ‘‘۔ (البقرۃ:۲۱۹)

ترجمہ:......’’(اے نبی!) وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا (یعنی کتنا) مال خرچ کریں؟ تم کہہ دو زائد مال (خرچ کرو)‘‘۔

باتفاقِ مفسرین صاحب مال کی حاجاتِ اصلیہ سے فاضل مال ’’عفو‘‘ کا مصداق ہے۔ انسان کی حاجاتِ اصلیہ کی تشخیص بھی قرآن عزیز میں بیان فرمائی ہے:

۱:......حد اعتدال میں رہ کر حسبِ حال جائز زینت وآرائش کا سامان اور حلال ولذیذ غذائیں اور مشروبات

ارشاد ہے:

۱:...... قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أُخْرِجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ‘‘۔(الاعراف:۳۲)

ترجمہ:......’’(اے نبی!) تم کہہ دو، کس نے حرام کیا ہے اللہ کی (دی ہوئی) زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہے اور حلال وعمدہ کھانے (پینے) کی چیزوں کو‘‘۔

۲:......يَا بَنِيْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا إِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ‘‘۔ (الاعراف:۳۱)

ترجمہ:......’’اے اولادِ آدم! لے لو اپنی آرائش (کے لباس) کو ہر نماز کے وقت اور کھاؤ پیو اور (اس میں) بے جا خرچ مت کرو، بیشک اللہ پسند نہیں کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو‘‘۔

۳:......فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّباً وَّاشْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ‘‘۔ (النحل:۱۱۴)

ترجمہ:......’’پس جو حلال وطیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو‘‘۔

۲:......ستر پوش اور باوقار، سردی گرمی سے بچانے والا حسبِ ضرورت لباس

ارشاد ہے:

۱:......يَا بَنِيْ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُّوَارِيْ سَوْآتِكُمْ وَرِيْشاً وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ‘‘۔ (الاعراف:۲۶)

ترجمہ:......’’اے آدم کی اولاد! ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو چھپائے تمہاری شرمگاہوں کو اور زینت کا لباس اور پرہیز گاری کا لباس تو سب سے بہتر ہے‘‘۔

۲:......وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ‘‘۔ (النحل:۸۱)

ترجمہ:......’’اور (اللہ نے) بنادیئے تمہارے کرتے جو بچاتے ہیں تم کو گرمی (سردی) سے اور ایسے کرتے (زرہیں) جو بچاتے ہیں تم کو لڑائی میں، اسی طرح اللہ پورا کرتا ہے تم پر اپنا انعام، تاکہ تم فرمانبرداری کرو‘‘۔

۳:......حسبِ ضرورت رہنے کے لیے مکان اور اثاث البیت

ا:......وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَناً وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْأَنْعَامِ بُيُوْتاً تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثاً وَّمَتَاعاً إِلٰى حِيْنٍ''۔ (النحل:۸۰)

ترجمہ:......''اور اللہ نے بنادیئے تمہارے گھر تمہارے مسکن اور بنادیئے چوپایوں کی کھالوں کے گھر (چرمی خیمے) جو تم آسانی سے اٹھا لیتے ہو جب سفر میں ہوتے ہو اور جب قیام کی حالت میں ہو اور بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی پشم سے اور بکریوں کے بالوں سے گھروں کا سامان اور استعمال کی چیزیں تاحین حیات''۔

قرآن حکیم کی یہ چند آیات بطور'' گلے از گلزارے'' ہم نے انتخاب کی ہیں، ان آیات میں انسان کی تین مسلمہ بنیادی ضرورتوں: ا:...... غذا، ۲:......لباس، ۳:...... مسکن...مکان...اور ان کے لوازمات سے حسبِ استطاعت انتفاع کا حکم فرمایا ہے، بشرطیکہ اس میں اسراف...فضول خرچی...نہ ہو۔

عفو و فاضل مال کی تعریف

قرآن وحدیث کی تفصیلی تعلیمات کی روشنی میں علماء نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کے حرفہ، معاشی مشغلہ اور منصب کے اعتبار سے حدِ اعتدال میں رہ کر مذکورہ بالا ہر سہ ضروریات اور ان کے لوازمات ہر شخص کی حوائج اصلیہ ہیں۔ حال و مآل کے اعتبار سے جس قدر مال ان کے لیے ضروری ہو، اس سے جو مال و دولت فاضل ہو وہ عفو کا مصداق ہے۔ اس کو اللہ جل مجدہٗ کے تجویز کردہ مصارف و مدات میں خرچ کرتے رہنا انفاق فی سبیل اللہ کا اعلیٰ مرتبہ اور عنداللہ مطلوب ہے، اسی کے ذریعہ نظامِ معیشت اکتنازِ زر کے خطرہ سے قطعی طور پر محفوظ و مامون رہتا ہے، صحیح مسلم میں حدیث قدسی میں آیا ہے:

''قال االلّٰه تعالٰی: ابن آدم أَنفق أُنفق علیک وقال یمین اللّٰه ملأیٰ سحاء لایغیضها شئ اللیل والنهار''۔ (مسلم، ج:ا،ص:۳۲۶)

ترجمہ:......''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم کی اولاد! تو (جو میں نے دیا ہے) خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہے، رات دن برس رہا ہے''۔

نبی رحمت ﷺ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت فرماتے ہیں:

''أنفقی ولاتحصی فیحصی اللّٰه علیک ولاتوعی فیوعی اللّٰه علیک''۔ (مسلم، ج:ا،ص:۳۳۱)

ترجمہ: ......''تم خرچ کیے جاؤ اور شمار نہ کرو کہ اللہ تم پر شمار کرنے لگے اور تھیلیوں میں جمع کر کے مت رکھو کہ اللہ بھی اپنی تھیلی کا منہ بند کرلے''۔

مصارف ومداتِ انفاق

قرآن حکیم نے اس انفاق کے مصارف ومدات بھی تجویز فرمادی ہیں، مگر یہ مصارفِ انفاق یقیناً مصارفِ زکوٰۃ کے علاوہ ہیں، اس لیے کہ مصارفِ زکوٰۃ وصدقات تو''إنما الصدقات'' کے عنوان سے قرآن حکیم نے مستقل طور پر بیان فرمائے ہیں۔ وجوہِ فرق زکوٰۃ کی بحث میں آتے ہیں۔

۱-ماں باپ، ۲-قرابت دار، ۳-یتیم، ۴-مسکین، ۵-مسافر، ۶-عام مصارف خیر

مقدارِ انفاق اور مصارفِ انفاق کے ذیل میں ارشاد ہے:

''يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ''۔ (البقرۃ:۲۱۵)

ترجمہ: ......''وہ تم سے دریافت کرتے ہیں: ہم کیا خرچ کریں؟ تم ان سے کہہ دو: جو مال بھی تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ کے لیے اور قریب تر رشتہ داروں کے لیے، یتیموں، محتاجوں، مسافروں کے لیے (خرچ کرو) اور جو بھی نیک کام تم کرتے ہو، اللہ اس کو خوب جانتا ہے''۔

۷-سائل، ۸-غیر مستطیع مدیون

انواعِ بر کے ذیل میں ارشاد ہے:

''وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ''۔ (البقرہ:۱۷۷)

ترجمہ: ......''اور مال دے اس کی محبت کے باوجود، رشتہ داروں کو، یتیموں کو، محتاجوں کو، مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں''۔

واضح ہو کہ اس آیت کریمہ میں یہ انفاق زکوٰۃ کے علاوہ ہے، اس لیے کہ اداءِ زکوٰۃ کا ذکر تو اسی آیت میں مستقل عنوان ''وآتی الزکوٰۃ'' کے تحت فرمایا ہے۔

۹-ہمسایہ قریب، ۱۰-ہمسایہ بعید، ۱۱-شریکِ حرفہ، ۱۲-مملوک غلام کنیز

اس انفاق کا درجہ اللہ کی عبادت کے بعد ہے، ارشاد ہے:

”وَاعْبُدُوْا اللّٰہَ وَلاَ تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئاً وَّبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَاناً وَّبِذِیْ الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِیْ الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ إِنَّ اللّٰہَ لاَ یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالاً فَخُوْراً“. (النساء:۳۶)

ترجمہ:......”اور عبادت کرو اللہ کی اور شریک مت کرو اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں،محتاجوں کے ساتھ اور پاس کے پڑوسی کے اور دور کے پڑوسی کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والے (شریک حرفہ) کے ساتھ اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہو (غلام کنیز یا نوکر خادم) ان کے ساتھ، بیشک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والے،شیخی مارنے والے لوگوں کو“۔

۱۳- بیوی،۱۴- اولاد

شوہروں کو بیویوں پر فوقیت حاصل ہونے کی ایک وجہ معاشی کفالت ہے،ارشاد ہے:

۱:......”اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلٰی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَا أَنْفَقُوْا مِنْ أَمْوَالِھِمْ“۔ (النساء:۳۴)

ترجمہ:......”مرد حاکم ہیں عورتوں پر، اس لیے کہ بڑائی دی اللہ نے بعض کو (مردوں کو) بعض پر (عورتوں پر) اور اس لیے کہ وہ (مرد) خرچ کرتے ہیں ان پر اپنے مال“۔

۲:......”وَعَلٰی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْف“۔ (البقرۃ:۲۳۳)

ترجمہ:......”اور جس کا بچہ ہے،اس کے ذمہ ہے ان (دودھ پلانے والیوں) کی خوراک اور لباس (کا خرچ)“۔

۱۵-حرب ودفاع ورفاہِ عامہ

قرآن حکیم سامانِ حرب ودفاع وغیرہ پر اموال خرچ نہ کرنے کو اپنے ہاتھوں اپنی موت بلانے کے مرادف قرار دیتا ہے،ارشاد ہے:

”وَأَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلاَتُلْقُوْا بِأَیْدِیْکُمْ إِلٰی التَّھْلُکَۃِ“۔ (البقرۃ:۱۹۵)

ترجمہ:......”اور اللہ کی راہ میں (لڑائی میں) خرچ کرو اور اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو“۔

۱۶- سائل، ۱۷- غیر سائل

قرآن کریم انسان کے مال میں سائل و غیر سائل ہر دو کا حق تجویز کرتا ہے:

''وَفِیْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ''۔ (الذاریات:۱۹)

ترجمہ:......''اور ان (اللہ سے ڈرنے والوں) کے اموال میں حصہ ہے: مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (ضرورت مندوں) کا''۔

نیز مانگنے والے باحمیت ضرورت مند کو مانگنے والے پر ترجیح دیتا ہے اور اربابِ اموال کو ایسے غیور ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد ہے:

''لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ أُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْباً فِی الْأَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمَاهُمْ لَا یَسْأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافاً''. (البقرۃ:۲۷۳)

ترجمہ:......''(وہ صدقات وخیرات) ان ضرورت مندوں کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں (اپنی زندگی اللہ کے لیے وقف کردی ہے، اس لیے) وہ زمین میں (کاروبار کے لیے) سفر نہیں کرسکتے، نادان آدمی ان کو غنی سمجھتا ہے، تم ان کے چہروں سے ان کو پہچان لوگے (کہ یہ ضرورت مند ہیں) وہ نہ سوال کرتے ہیں، نہ اصرار''۔

بہرصورت سائل کو جھڑکنے سے سختی کے ساتھ منع فرماتا ہے، بلکہ حکم دیتا ہے کہ اگر اللہ نے تم کو وسعت دی ہے تو اس کی ضرورت پوری کرکے شکر نعمت ادا کرو، ورنہ نرمی سے معذرت کردو، ارشاد ہے:

۱:......''وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَأَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ''۔ (الضحیٰ:۱۰،۱۱)

ترجمہ:......''مانگنے والے کو مت جھڑکو اور اپنے پروردگار کی نعمت کا اظہار کرو''۔

۲:......''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَا أَذًی وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ''. (البقرۃ:۲۶۳)

ترجمہ:......''بھلی بات کہہ دینا اور (سائل کی ترش کلامی کو) معاف کردینا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو''۔

یہ انفاق کچھ مالداروں اور دولت مندوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر مسلمان خواہ خوشحال ہو، خواہ تنگدست' اپنی استطاعت کے مطابق اس کا مخاطب ہے، ارشاد ہے:

''أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ''. (آل عمران:۱۳۳،۱۳۴)

ترجمہ:......''وہ جنت تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لیے، جو خرچ کرتے ہیں

خوشحالی میں بھی اور تنگدستی میں بھی اور ضبط کرتے ہیں غصہ کو اور معاف کرتے ہیں لوگوں (کی خطاؤں) کو اور اللہ پسند کرتا ہے نیکوکاروں کو‘‘۔

جو لوگ ان رضا کارانہ طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، ان کے متعلق ارشاد ہے:

’’اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لاَ یَجِدُوْنَ إِلاَّ جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ‘‘۔ (التوبۃ:۷۹)

ترجمہ:......’’وہ لوگ جو طعنے دیتے ہیں ان ایمان والوں پر بھی جو دل کھول کر خیرات دیتے ہیں اور ان پر بھی جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت ومشقت (کی کمائی) پس مذاق اُڑاتے ہیں ان کا، اللہ اُن کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے‘‘۔

اس انفاق سے صرف وہ تہی دست لوگ مستثنیٰ ہیں، جن کے پاس دینے کے لیے بجز دعاء خیر کے اور کچھ نہ ہو۔

’’لَیْسَ عَلٰی الضُّعَفَاءِ وَلاَ عَلٰی الْمَرْضٰی وَلاَ عَلٰی الَّذِیْنَ لاَ یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلٰی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ وَّاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَلاَ عَلٰی الَّذِیْنَ إِذَا مَا أَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لاَ أَجِدُ مَا أَحْمِلُکُمْ عَلَیْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلاَّ یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ‘‘. (التوبۃ:۹۱،۹۲)

ترجمہ:......’’نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں ہے کچھ گناہ، جبکہ وہ خیر خواہی کریں اللہ اور اس کے رسول کی، نہیں ہے (ایسے) نیکوکاروں پر کوئی (الزام کی) راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور نہ ان لوگوں پر (کچھ گناہ) ہے جو تمہارے پاس جب آئے، تاکہ تم ان کو (جہاد کے لیے) سواری دو تو تم نے کہا: میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کوئی سواری نہیں تو وہ آنکھوں سے آنسو بہاتے (اور اپنی محرومی پر روتے) ہوئے واپس چلے گئے اس غم میں کہ ان کے پاس (جہاد میں) خرچ کرنے کو کچھ نہ تھا‘‘۔

واضح ہو کہ مذکورہ بالا ہر دو آیتیں غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، لہٰذا انفاق حرب ودفاع کی مد سے متعلق ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کو اکتنازِ دولت سے محفوظ رکھنے کی اہم ترین انفاق سے متعلق ان چند آیات پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں اس انفاق کے مصارف ومدات کی تشخیص وتحدید حسب ذیل ہے:

مستقل انفاقات:

اہل خانہ: خود، بیوی، نابالغ یا ضرورت مند اولاد، ضرورت مند ماں باپ، عبید واماء، موجودہ زمانے میں ان کی جگہ نوکر وخادم۔

اہل کنبہ: ضرورت مند قرابت دار الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے، مجبور ومعذور قرابت دار۔

اہل محلّہ: ضرورت مند ہمسایۂ قریب، ہمسایۂ بعید، شریک حرفہ وکسب معاش۔

اہل ملک: یتیم قرابت دار وغیر قرابت دار، مساکین ومحتاجین خواہ سائل ہوں خواہ غیر سائل، ضرورت منداہل حرفہ وشرکاء کار۔

قومی وملکی: مصارفِ حرب ودفاع ورفاہِ عام۔

عارضی انفاقات

غیر مستطیع مسافر، غیر مستطیع مدیون، خسارہ زدہ (دیوالیہ) تاجروکاروباری۔

نتیجۂ بحث

مذکورہ بالاتفصیل سے ظاہر ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا دائرہ پوری قومی زندگی کے ...شخصی، عائلی، انفرادی، اجتماعی، قومی وملکی...مصارف ومدات پر محیط ہے۔ اگر ملک کے اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ طبقات خصوصاً دولت مندوں کا فاضل سرمایہ...جوعفو کا مصداق ہے...اللہ کے حکم کے مطابق مذکورہ بالا مدات میں برابر خرچ ہوتا ہے تو ملک میں سرمایہ کبھی منجمد ہو ہی نہیں سکتا، خواہ ان دولت مندوں کے پاس سرمایہ کتنی ہی فراوانی کے ساتھ کیوں نہ آتا رہے۔ اسلام دین فطرت ہے، اس لیے قرآن حکیم دولت مندوں اور سرمایہ داروں کو اس انفاق پر مجبور کرنے یعنی سرمایہ کو متحرک اور دولت کو دائر وسائر رکھنے میں جبر سے کام لینے کے بجائے اخلاقی قوت سے کام لیتا ہے، یعنی حب مال اور ہوسِ زر اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بخل وامساک (کنجوسی) کو کافرانہ خصلت اور بدترین رذالت قرار دیتا ہے، ارشاد ہے:

ا:......’’كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحَاضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ وَتَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ أَكْلاً لَّمّاً وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبّاً جَمّاً‘‘. (الفجر:۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰)

ترجمہ:......’’کوئی نہیں، بلکہ تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو اور (ایک دوسرے کو) محتاج کو کھانا کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتے اور کھا جاتے ہو میت کا مال سمیٹ سمیٹ کر اور محبت کرتے ہو مال سے جی بھر کر‘‘۔

۲:......’’وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الَّذِىْ جَمَعَ مَالاً وَعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهٗ أَخْلَدَهٗ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِىْ الْحُطَمَةِ‘‘. (الہمزۃ:۱، ۲، ۳، ۴)

ترجمہ:......’’ہلاکت ہے ہر طعنے دینے والے عیب چینی کرنے والے کے لیے، جس نے مال خوب سمیٹا اور گن گن کر رکھا، وہ سمجھتا ہوگا اس کا مال سدا اس کے ساتھ رہے گا، ہرگز نہیں! وہ ضرور جھونکا جائے گا روند ڈالنے والی آگ میں‘‘۔

۳:......’’إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ وَّإِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ وَّإِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ‘‘. (العادیات:۶،۷،۸)

ترجمہ:......’’بیشک انسان اپنے پروردگار کے بارے میں بڑا ہی بخیل ہے اور وہ خود ہی اپنے اس فعل پر گواہ ہے اور وہ مال کی محبت میں بہت ہی سخت ہے‘‘۔

۴:......’’وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ‘‘. (آل عمران:۱۸۰)

ترجمہ:......’’نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز (کے خرچ کرنے) میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی ہے کہ یہ بخل ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ یہ بخل تو ان کے حق میں بہت ہی برا ہے، طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا وہ مال جس (کے خرچ کرنے) میں انہوں نے بخل کیا ہے‘‘۔

بلکہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے عقیدہ کے تحت دنیوی واخروی ترغیبات وترہیبات اور وعدو وعید کے ذریعہ اس انفاق پر آمادہ کرتا ہے۔ قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ آیاتِ انفاق اور دنیا وآخرت میں اس انفاق کے فوائد ومنافع اور بخل وامساک کے دنیوی واخروی نقصان اور مضرتوں کے ذکر سے خالی ہوگا۔

اس لیے قرآن حکیم زراندوز سرمایہ داروں اور مالداروں سے عام حالات میں زبردستی ان کے اموال چھین لینے اور ملکیت سے محروم کردینے کا حکم نہیں دیتا کہ یہ استحصال بالجبر اور ظلم صریح ہونے کے علاوہ معاشی حیثیت سے ملکی پیداوار میں ترقی کو مسدود کردینے اور قوم کے حوصلے اور نشاط کار کو تباہ کردینے کے مرادف ہے اور یہ سب سے بڑا معاشی نقصان اور قومی جرم ہے۔

اسلام کے زریں عہد یعنی قرون اولیٰ ...عہد صحابہؓ وتابعینؒ... کی تاریخ شاہد ہے کہ اغنیاء صحابہؓ وتابعینؒ نے اسی قرآنی حکمت عملی کے تحت برضا ورغبت اور بطیّب خاطر مذکورہ بالا تمام انفرادی واجتماعی، عارضی ودائمی، قومی مدات ومصارف میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بے حساب اموال خرچ کیے ہیں اور وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ کے تحت جیسے بے حساب اللہ نے ان کو دیا ہے، ویسے ہی بے حساب انہوں نے خرچ کیا ہے، اپنے اوپر بھی اور قوم کے اوپر بھی۔ تاہم چونکہ شحّ ... مال کے خرچ کرنے میں بخل... انسانی فطرت کی ایک ناگزیر کمزوری ہے، ارشاد ہے:

''وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ''۔ (النساء:۱۲۸)

ترجمہ:......''اور نفوس انسانی میں بخل اور حرص پیوست ہے''۔

بجز ان خدا سے ڈرنے والے لوگوں کے جن کو رب العالمین اپنے فضل سے اس کمزوری سے بچالے، ارشاد ہے:

''وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ''۔ (التغابن:۱۶)

ترجمہ:......''اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل وحرص سے بچا دیئے گئے، وہی ہیں فلاح پانے والے''۔

وہ اغنیاء آج بھی اپنے اسلاف کی طرح کشادہ دل اور کشادہ دست موجود ہیں اور اُنہی کی فراخ دستی کے نتیجہ میں پاکستان واحد ملک ہے، جس میں حکومت کے اثر سے آزاد بیشار تعلیمی اور رفاہی ادارے چل رہے ہیں، مگر عام طور پر ملک کا سرمایہ دار اور مالدار طبقہ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ اور ناواقف ہونے کی وجہ سے رب العالمین کے اس فضل سے محروم ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔

بہرحال شح انسان کی ایک فطری کمزوری ہے، جو انفاق فی سبیل اللہ کی راہ میں حائل ہوکر سدراہ بن جاتی ہے، اس لیے قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے انفاق کی حسب ذیل مدات میں اسلامی حکومت کو اختیار دیا ہے کہ وہ اغنیاء اور مالی استطاعت رکھنے والے لوگوں کو خرچ پر مجبور کرسکتی ہے۔

۱:...... بیوی کا نفقہ شوہر کی مالی استطاعت کے معیار پر۔

۲:......نابالغ اولاد کا نفقہ۔

۳:......ضرورت مند والدین کا نفقہ۔

۴:......معذور قرابت داروں کا نفقہ۔

۵:......مصارفِ حرب ودفاع وامورِ رفاہِ عام، اگر حکومت کے خزانے ... بیت المال ... میں ان اخراجات کے لیے بقدرِ ضرورت مال نہ ہو۔

۶:......وہ ہنگامی حالات جن میں اسبابِ سماوی کی وجہ سے یا سرمایہ داروں کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ملک معاشی بحران میں گرفتار ہوگیا ہو، یعنی ملک کا تمام تر سرمایہ اور وسائل دولت چند افراد یا خاندانوں کے ہاتھوں میں سمٹ آئے ہوں اور اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کی صورت پیدا ہوگئی ہو۔

☆☆☆

مسجدِ اقصیٰ کی تولیت اور عمار خان ناصر صاحب کی تحریرات

مولانا سمیع اللہ سعدی

(تفصیلی وتنقیدی جائزہ) (پہلی قسط)

قبلہ اول، انبیائے کرامؑ کا مولد و مدفن اور روئے زمین پر حرمین شریفین کے بعد افضل ترین بقعہ ''مسجدِ اقصیٰ'' کے حوالے سے عمار خان ناصر کا ''عجیب وغریب'' موقف اور ماضی وحال کی پوری امت مسلمہ کے برعکس اختیار کردہ ''نظریہ''، علمی حلقوں میں کافی عرصے سے زیر بحث ہے۔ امتِ مسلمہ کے بالغ نظر محققین نے اس موقف اور نظریے کے مضمرات، نقصانات، پسِ منظر اور اس حوالے سے عمار خان ناصر کے ''مآخذ ومراجع'' کو بخوبی آشکارا کیا ہے۔ ذیل کی تحریر میں ہم آنجناب کی اس موضوع پر شائع شدہ دو مرکزی تحریروں ''مسجدِ اقصیٰ، یہود اور امتِ مسلمہ'' (ماہنامہ الشریعہ، ستمبر، اکتوبر۲۰۰۳ء) اور ''مسجدِ اقصیٰ، یہود اور امتِ مسلمہ تنقیدی آراء کا جائزہ'' (ماہنامہ الشریعہ، اپریل، مئی۲۰۰۴ء) کا ایک منصفانہ جائزہ لیتے ہیں، کیونکہ جناب عمار خان صاحب عموماً ''شاکی'' رہتے ہیں کہ میری تحریروں پر مفصل اور سنجیدہ تنقید کسی نے نہیں کی اور میرے اٹھائے گئے ''نکات'' اور ''اعتراضات'' کو کسی نے چیلنج نہیں کیا۔ (۱) لہٰذا مذکورہ تحریروں کا ابتدا سے لے کر انتہا تک ایک مربوط جائزہ' نکات، استفسارات اور سوالات کی شکل میں لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حق بات کہنے، لکھنے، حق آشکارا ہونے کے بعد اُسے ماننے اور اپنی غلطی تسلیم کرنے کا حوصلہ اور ہمت عطا فرمائیں، آمین۔

ا:...... بحث اول

آنجناب نے سب سے پہلے مضمون کی تمہید میں مسئلے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''اور اس میں انبیائے بنی اسرائیل کی یادگار کی حیثیت رکھنے والی تاریخی مسجدِ اقصیٰ موجود ہے، جس کی تولیت کا مسئلہ مسلمانوں اور یہود کے مابین متنازع فیہ ہے''۔ (براہین، ص:۲۳۳)

ہم آنجناب سے پوچھتے ہیں کہ تمہید میں اس تنازع کا پسِ منظر کیوں واضح نہیں کیا گیا کہ یہ تنازع کب سے ہے؟ بعثتِ نبوی سے، حضرت عمرؓ کی فتح بیت المقدس کے وقت سے، صلاح الدین ایوبیؒ

کے دور سے یا کفر یہ طاقتوں کا ایک مخصوص منصوبے کے تحت ارضِ مقدس میں یہودیوں کی آبادکاری کے وقت سے؟ تنازع کا وقتِ ابتداا گر آنجناب بیان کردیتے ،تو مذکورہ تنازع کے کافی پہلوؤں پر روشنی پڑ سکتی تھی۔ یہ تحریر پڑھتے وقت قاری یہ سمجھ لیتا ہے کہ شاید صدرِ اسلام سے آج تک یہ مسئلہ متنازع فیہ ہے۔ آنجناب سے سوال ہے کہ حضرت عمرؓ کی فتح سے لے کر اس تنازع کے پیدا ہونے سے پہلے تک کبھی یہودیوں نے اس جگہ کو واپس لینے ، اس پر احتجاج کرنے اور مسلم حکمرانوں سے اس کی تولیت لینے کا باقاعدہ مطالبہ کیا ہے؟ آنجناب ضرور یہ کہیں گے کہ یہود اس مطالبے کی پوزیشن میں نہیں تھے،تو سوال یہ کہ حضرت کعب احبارؓ بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے اور ان کے بارے میں سب کو علم ہے کہ اپنے زمانے میں یہود کے کتنے بڑے عالم تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ جیسے ''عادل'' اور ''شرعی حکم'' کے سامنے سر جھکا دینے والی شخصیت سے مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کا صراحۃً یا اشارۃً ذکر کیوں نہیں کیا؟ خود آپ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ صدیوں کے سکوت کے بعد یہودیوں کے ہاں اس (ہیکل سلیمانی) کی تعمیر کا مطالبہ شدت سے سامنے آیا ہے، تو آنجناب صدیوں کے سکوت کی کیا توجیہ کریں گے؟ کہ اچانک اس مطالبے کے پیدا ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ کیا ہماری پوری اسلامی تاریخ میں مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کی بحث کبھی اٹھائی گئی؟ اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے، تو یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ یہ تنازع فطری اور واقعی نہیں ہے، بلکہ مخصوص طاقتوں کی طرف سے پیدا کردہ مصنوعی اور امتِ مسلمہ کو یہود کے ہاتھوں زیر کرنے کا ''جامع منصوبہ'' ہے۔

۲:...... بحث دوم

اس ''مبھم'' اور ''مغالطہ'' پر مبنی تمہید کے بعد آنجناب نے مسجدِ اقصیٰ کی مختصر لیکن ''نامکمل تاریخ'' بیان کی ہے۔ یہ تاریخ مکمل طور پر تورات اور اسفارِ یہود سے نقل کی گئی ہے۔ جناب عمار صاحب سے بجا طور پر سوال ہے کہ آنجناب نے اس بارے میں غیر اسلامی مآخذ کو ترجیح کیوں دی؟ کیا اسلامی مآخذ مسجدِ اقصیٰ کی تاریخ کے بارے میں خاموش ہیں؟ مفسرین نے سورۂ اسراء کے تحت، محدثین نے بخاری شریف کی حدیثِ ابی ذرؓ (۲) اور نسائی شریف کی حدیثِ عبداللہ بن عمروؓ (۳) کی تشریح میں مسجدِ اقصیٰ کی جو تاریخ بیان کی ہے، آنجناب نے اس سے پہلوتہی کیوں اختیار کی؟ ہماری تاریخ کی امہات الکتب میں مسجدِ اقصیٰ کی تاریخ جا بجا بیان ہوئی ہے (۴) آنجناب نے اس کو نظر انداز کیوں کیا؟ اس کے علاوہ صدرِ اسلام سے لے کر آج تک مسجدِ اقصیٰ کی تاریخ ، فضائل اور احکام پر بیسیوں کتب لکھی گئی ہیں، اس وقت میرے سامنے شہاب اللہ بہادر کی مایہ ناز کتاب ''**معجم ما ألف فی فضائل و تاریخ المسجد الأقصی**'' ہے، اس میں فاضل مصنف نے تیسری صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی

کے اختتام تک مسجدِ اقصیٰ کے حوالے سے لکھی گئی مطبوعہ ومخطوطہ کتب کا تعارف کرایا ہے۔ ان سب معتبر، مستند اور معتمد مآخذ کو چھوڑ کر محرف ومنسوخ شدہ مصاحف پر اعتماد کیوں کیا گیا؟ خصوصاً دسویں صدی ہجری کے مشہور عالم مجیرالدین الحنبلی کی کتاب ''الأنس الجلیل بتاریخ القدس و الخلیل ''اور بارہویں صدی ہجری کے مؤرخ محمد بن محمد الخلیلی کی ضخیم کتاب ''تاریخ القدس و الخلیل ''مسجدِ اقصیٰ کی تاریخ کے حوالے سے مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کو پس پشت کیوں ڈال دیا؟ صحفِ یہود سے تاریخ نقل کر کے قاری کے ذہن میں غیرمحسوس طریقے سے کہیں یہ بات تو نہیں ڈالی جارہی ہے کہ مسجدِ اقصیٰ پر ''یہود کا تاریخی و مذہبی حق'' (واوین کے الفاظ مذکورہ مضمون سے لیے گئے ہیں) کچھ اس طرح سے پختہ ہے کہ اس کی تاریخ کے لیے بھی ہمیں صحفِ یہود کی طرف رجوع کرنا پڑ رہا ہے۔ آنجناب ضرور یہ کہیں گے کہ تاریخ میں سابقہ صحف پر اعتماد کرنے میں کیا حرج ہے؟ یقیناً کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اولاً: جب ایک چیز اسلامی مآخذ میں بآسانی مل سکتی ہے تو اس میں ان مصاحف کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت اور ان کی وجہ ترجیح کیا ہے؟ ثانیاً: ان صحف کا موضوع مسجدِ اقصیٰ کی تاریخ کا بیان نہیں ہے، بلکہ مختلف قصوں اور واقعات کے ضمن میں متفرق مقامات پر مسجدِ اقصیٰ کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے تو باقاعدہ اس موضوع پر لکھی گئی مفصل تصنیفات کو چھوڑ کر غیرمتعلقہ مراجع سے استمداد کسی ''علمی تحقیق'' کے شایانِ شان نہیں ہے۔ ثالثاً: ان میں تحریف صرف احکام میں نہیں ہوئی ہے، بلکہ تاریخی حوادث و واقعات میں بھی اہلِ کتاب نے بہت کچھ اپنی طرف سے داخل کیا ہے، قرآن پاک میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصوں کے ضمن میں مفسرین کی نقل کردہ اسرائیلی روایات اس کی شاہد ہیں، تو ان سب ''موانع'' کے ہوتے ہوئے آخر ان پر اعتماد کی وجہ کیا ہے؟

اس پر مستزاد یہ تاریخ بھی نامکمل بیان کی گئی ہے (کیونکہ ان ''محرف'' صحف میں تاریخ اتنی ہی بیان ہوئی ہے) مسجدِ اقصیٰ کی تاریخ حضرتِ داؤد وحضرتِ سلیمان علیہما السلام سے شروع کی ہے، حالانکہ تمام مصادر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دو جلیل القدر پیغمبر مسجدِ اقصیٰ کے مؤسس و بانی نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت محض تجدید کنندہ کی ہے، اور خود عمار صاحب نے بھی مضمون کے حاشیے میں اس کا ذکر کیا ہے، تو آنجناب سے سوال یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کی ابتدائی تاریخ اور اس کے اولین مؤسس کو زیر بحث کیوں نہیں لایا گیا؟ جبکہ کسی چیز کی تاریخ کے بیان میں اس کی ابتدا اور بانی کا ذکر سب سے اہم سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ وجہ تو نہیں کہ اصل بانی و مؤسس کے ذکر سے آنجناب کے ''موقف'' پر زد پڑ سکتی تھی؟ کہ جب مسجدِ اقصیٰ کی تاریخ یہود کے زمانے سے پہلے شروع ہوتی ہے، تو انہیں اس پر محض اپنا حق جتانے اور اس کی تولیت کا دعویٰ کرنے کا کیا حق ہے؟

۳: ...... بحث سوم

مسجدِ اقصیٰ کی نامکمل تاریخ بیان کرنے کے بعد آنجناب نے ''حقِ تولیت سے یہود کی

معزولی'' کا عنوان باندھا ہے۔اس عنوان کے تحت آنجناب نے ایک عجیب ''مقدمہ'' تراشا ہے اور اس تحریر کی پوری عمارت اس مقدمے پر کھڑی ہے۔اس مقدمے کا خلاصہ یہ نکاتِ ثلاثہ ہیں:

۱:...... کسی مذہب والوں کو ان کی مخصوص عبادت گاہ اور مرکزِ عبادت کی تولیت سے محروم کرنے کے لیے قرآن وحدیث کی واضح نص کی ضرورت ہے۔

۲:...... مشرکین مکہ کو مسجدِ حرام کی تولیت سے اس وقت تک محروم نہیں کیا گیا، جب تک ۹ ھ میں سورۂ براءت کی واضح آیتیں نہیں اتری تھیں۔

۳:...... مسجدِ اقصیٰ سے یہود کی تولیت کی منسوخی کے بارے میں اس طرح کی کوئی واضح نص نہیں ہے، جس طرح سے مسجدِ حرام کے بارے میں ہے، اس لیے اس بارے میں جتنے ''استدلالات'' کیے جاتے ہیں، وہ سارے کالعدم ہیں، کیونکہ وہ ''صریح'' نہیں ہیں۔

یہ مقدمہ درج ذیل وجوہ سے محض ''خودساختہ'' ہے:

مقدمہ کے پہلے حصہ کا رد

مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں بحث کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ کسی مذہب کی مرکزی عبادت گاہ کی اہلِ مذہب سے تولیت کی منسوخی کے کیا شرعی احکامات ہیں، بلکہ بحث کا اصل طرز یہ ہے کہ روئے زمین کے وہ چند مقدس مقامات جن کی اہمیت، فضیلت، برکت اور عظمت صرف اس بنیاد پر نہیں ہے کہ کسی مذہب والوں نے انہیں مرکزِ عبادت کے طور پر آباد کیا، بلکہ خود حق تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبروں کے ذریعے ان جگہوں کو بابرکت اور افضل البقاع قرار دیا، ان کو ان مقامات کی تعمیر، تاسیس، تجدید اور انہیں مرکزِ عبادت بنانے کے باقاعدہ احکامات دیئے اور ان مقامات کی فضیلت وتقدس تمام ادیانِ سماویہ میں مسلم ہے۔ایسے ''مقامات'' کی تولیت، انہیں آباد کرنے اور ان میں عبادتِ صحیحہ ادا کرنے کا حق بعثتِ نبوی کے بعد دنیا میں اب تک موجود تین ادیانِ سماویہ: اسلام، یہودیت اور عیسائیت میں کس مذہب کے ماننے والوں کو حاصل ہے۔شرعی نصوص کے مطابق روئے زمین پر ایسے مقدس اور بابرکت مقامات صرف تین ہیں: مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ۔ چنانچہ حافظ ابنِ حجرؒ شدِ رحال والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

''وفی ھذا الحدیث فضیلة ھذہ المساجد ومزیتھا علی غیرھا لکونھا مساجد الأنبیاء ولأن الأول قبلة الناس وإلیه حجھم والثانی کان قبلة إلا مم السالفة والثالث أسس علی التقوی''. (۵)

اس کے علاوہ اسراء کے موقع پر مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سفر''لا تشد الرحال'' والی حدیث (۶) دونوں مسجدوں کی تاسیس والی حدیثِ بخاری (۷) مساجدِ ثلاثہ میں نماز کا ثواب بیان کرنے والی حدیث (۸) اور فقہائے کرام کے ان مقامات میں نذر، اعتکاف اور ان سے عمرہ وحج کا احرام باندھنے کے

الگ احکامات کا بیان[9] ان مقامات کے مراتبِ فضیلت پر بحث[10] اور اسلامی تاریخ کے جلیل القدر علماء کی مقاماتِ ثلاثہ کے فضائل، تعارف، تاریخ اور احکامات کو بیان کرنے کے لیے الگ تصنیفات[11] اس بات کے واضح شواہد ہیں کہ یہ تینوں مقامات مخصوص فضیلت اور ناقابلِ انفکاک تعلق کے حامل ہیں۔قرآن و حدیث کے ادنی طالبِ علم پر ان مقامات کے خاص فضائل اور ان کا تقدس مخفی نہیں ہے۔

ان ''مقاماتِ مقدسہ'' کے بارے میں تمام ادیانِ سماویہ میں یہ ضابطہ چلا آرہا ہے کہ یہ ہر زمانے کے اہلِ حق کو ملتے ہیں۔اگرچہ کبھی کبھار اہلِ حق کے کمزور ہونے اور انہیں ان کے کیے کی سزا کے نتیجے میں ان پر اہلِ باطل کا غلبہ بھی رہا ہے، لیکن ان کا ''شرعی'' حکم یہی چلا آرہا ہے کہ اس کے حقدار صرف اور صرف زمانے کے اہلِ حق ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ ابوالانبیاء ہیں، اس لیے ان کے بعد یہ مقدس مقامات ان کی اولاد اور ان کے سچے متبعین میں تقسیم کیے گئے، چنانچہ مسجدِ حرام بنی اسماعیل اور مسجدِ اقصیٰ بنی اسرائیل کے حوالے کی گئی، لیکن ساتھ یہ شرط بھی لگا دی گئی کہ تمہارے پاس ان مقدس مقامات کی تولیت اور ذمہ داری دینِ حق پر قائم رہنے، اللہ کی اطاعت پر کاربند رہنے اور شرک وکفر سے بچنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔چنانچہ انبیاء بنی اسرائیل کی زبانی بنی اسرائیل کو یہ اعلان سنایا گیا، جسے آنجناب نے بھی نقل کیا ہے:

''اگر تم میری پیروی سے برگشتہ ہو جاؤ اور میرے احکام اور آئین کو جو میں نے تمہارے آگے رکھے ہیں، نہ مانو، بلکہ جا کر اور معبودوں کی عبادت کرنے اور ان کو سجدہ کرنے لگو تو میں اسرائیل کو اس ملک سے جو میں نے تمہیں دیا ہے، کاٹ ڈالوں گا اور اس گھر کو جسے میں نے اپنے نام کے لیے مقدس کیا ہے، اپنی نظر سے دور کر دوں گا اور اسرائیل سب قوموں میں ضرب المثل اور انگشت نما ہوگا''۔[12]

اس کی تائید قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ سورۂ مائدہ میں اللہ نے بنی اسرائیل کو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ اعلان سنایا:

''یٰقَوْمِ ادْخُلُوْا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰی أَدْبَارِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خَاسِرِیْنَ''۔ (المائدہ:۲۱)

ترجمہ: ''اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نامراد ہو جاؤ گے''۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ''ولا ترتدوا'' کی جہاں اور تفسیریں کی ہیں، وہاں ساتھ یہ تفسیر بھی کی ہے کہ اس سے مراد اللہ کی نافرمانی اور سرکشی ہے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

''لا ترجعوا عن دینکم بالعصیان''۔[13]

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

" لا ترجعوا عن طاعتی و ما أمرتکم من قتال الجبارین". (۱۴)

اس کے علاوہ سورۂ اسراء کی ابتدائی آیات میں بیت المقدس سے بنی اسرائیل کی دو مرتبہ بے دخلی بھی اسی سنت اللہ کی تائید کررہی ہے کہ اس مقدس مقام کی تولیت اللہ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔

اسی طرح بنی اسماعیل کو بھی مسجدِ حرام کی تولیت اسی شرط کے ساتھ دی گئی تھی، چونکہ بنی اسماعیل میں قرآن کے علاوہ کوئی کتاب نہیں نازل ہوئی، اس لیے اس کا اعلان قرآن پاک میں کیا گیا، چنانچہ سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْا أَوْلِيَاءَ هُ إِنْ أَوْلِيَاءُ هُ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ''۔ (الانفال:۳۴)

ترجمہ:......''اور بھلا ان میں کیا خوبی ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے، جبکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے متولی نہیں ہیں، متقی لوگوں کے سوا کسی قسم کے لوگ اس کے متولی نہیں ہو سکتے''۔

سابقہ صحف اور قرآن پاک کی ان واضح نصوص سے یہ بات بخوبی ثابت ہو رہی ہے کہ ان مقاماتِ مقدسہ کے بارے میں سنت اللہ یہی ہے کہ ان کی تولیت کے حقدار صرف اہل حق ہیں۔ اب آنجناب بتائیں کہ نبی پاک ﷺ کی بعثت کے بعد روئے زمین پر اب امتِ مسلمہ کے علاوہ بھی کوئی حق گروہ ہے؟ اس لیے اس سنت اللہ کے مطابق مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ دونوں کی تولیت صرف اس امت کے ذمے ہے، جبکہ مسجدِ نبوی میں تو ویسے آپ ﷺ کا شاہی دربار سجا ہے۔

آنجناب نے بحث کی پوری ترتیب کو''خلط'' کیا اور مسجدِ اقصیٰ کو ایک خاص مذہب کا محض مرکزِ عبادت قرار دے کر پھر اس کی تولیت کی بحث کی ہے، اسی خلطِ مبحث کا نتیجہ ہے کہ آنجناب کو مسجدِ اقصیٰ امتِ مسلمہ کی تولیت میں دینے پر''تضادات'' نظر آئے۔ (جس کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا)

اس سنت اللہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جملہ وراثتوں کا حقدار اس امت کو ٹھہرایا ہے، چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں فرماتے ہیں:

''إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا''۔(آل عمران:۶۸)

ترجمہ:''ابراہیم کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی ﷺ اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے''۔

یہی وجہ ہے کہ ہماری پوری تاریخ میں ان مقاماتِ مقدسہ کی تولیت کا سوال کبھی نہیں اٹھایا گیا اور نہ ہی اس حوالے سے''شرعی دلائل'' اکٹھا کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اسی طرح ان کی تولیت لینے کے لیے کسی ''واضح نص'' کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی گئی، بلکہ ان مقدس مقامات پر سیاسی غلبہ ہوتے ہی ان مقامات کو تولیت میں لیا گیا، چنانچہ فتحِ مکہ کے موقع پر مسجدِ حرام کی تولیت مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گئی اور مسجدِ اقصیٰ

کی تولیت آپ ﷺ کی بشارت کے نتیجے میں حضرت عمرؓ کے دور میں بیت المقدس کی فتح کی صورت میں امت نے سنبھالی۔ (آنجناب نے اس حوالے سے جونکات اٹھائے ہیں، ان کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا)

مقدمہ کے دوسرے حصہ کا رد

اس خودساختہ مقدمے کا دوسرا حصہ کہ مشرکین کو مسجدِ حرام کی تولیت سے اس وقت تک محروم نہیں کیا گیا، جب تک ۹ھ میں سورۂ براءت کی واضح آیتیں نہیں اتری تھیں، اسلامی تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اسلامی تاریخ کا ادنیٰ طالبِ علم جانتا ہے کہ آپ ﷺ کا مکہ کو فتح کرنے کا مقصد ہی دراصل مشرکین سے بیت اللہ کو چھڑانا تھا۔ آنجناب بتائیں کہ اس کے علاوہ فتحِ مکہ کا کیا مقصد تھا؟ جب آپ ﷺ وہاں ٹھہرے بھی نہیں، وہاں کے باشندوں سے انتقام بھی نہیں لیا، وہاں کے باشندوں کو اسلام پر مجبور بھی نہیں کیا، تو پھر محض اس شہر میں داخل ہوکر واپس نکلنے کا کیا مقصد تھا؟ نیز اسلامی تاریخ میں فتحِ مکہ کو جو مقام واہمیت حاصل ہے، وہ کس بنیاد پر ہے؟ اور صحابہ کرامؓ نے جس جوش وخروش اور جس جذبے کے ساتھ اس میں شرکت کی، اس کی بنیادی وجہ کیا تھی؟ سیرت نگاروں نے فتحِ مکہ کا مقصدِ اعظم ہی ''بیتِ عتیق'' کو مشرکین سے چھڑوانا لکھا ہے، چنانچہ ابن القیمؒ نے ''زادالمعاد'' میں فتحِ مکہ کو ''الفتح الأعظم'' لکھ کر اس کا مقصد یوں بیان کیا ہے:

''الذی أعز اللّٰہ به دینه و رسوله و جنده و حزبه الأمین، و استنقذ به بلده وبیته الذی جعله هدی للعالمین، من أیدی الکفار و المشرکین''. (۱۵)

ترجمہ:...... ''وہ فتح جس کے ذریعے اللہ نے اپنے دین، اپنے رسول، اپنے لشکر اور اپنی امانت دار جماعت کو عزت سے نوازا اور اس کے ذریعے اپنے شہر اور اپنے اس گھر کو مشرکین اور کفار سے چھڑایا، جس کو پوری کائنات کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے''۔

آپ ﷺ کا مکہ فتح کرکے بیت اللہ میں داخل ہونا، بتوں کو گرانا ''جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ'' کی صدا لگانا، وہاں نماز پڑھنا، حضرت بلالؓ کا چھت پر چڑھ کر اذان دینا، کیا یہ سارے کام بیت اللہ کی تولیت کو واپس لینے کے اعلانات نہیں تھے؟ اگر جناب عمار صاحب کا خودساختہ مقدمہ مان لیں تو سوال یہ ہے کہ زبانِ نبوت نے اس موقع پر ایسا کوئی جملہ ارشاد کیوں نہیں فرمایا کہ ''حقِ تولیت چونکہ ایک نازک معاملہ ہے، اس لیے کسی واضح نص تک ہمیں انتظار کرنا چاہئے''؟ آپ ﷺ نے جب حضرت عثمان بن ابی طلحہؓ سے بیت اللہ کی چابیاں لے لیں اور حضرت علیؓ و دیگر صحابہؓ نے درخواست کی کہ یہ چابیاں ہمیں عطا فرمائیں، تو اس وقت آپ ﷺ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ ''حقِ تولیت چونکہ ایک نہایت نازک معاملہ ہے، اس لیے کسی واضح نص کا انتظار کرنا چاہئے''؟ بلکہ آپ ﷺ نے چابیاں ان سے لے کر پھر اپنے اختیار سے ان کو واپس کردیں، جو حافظ ابن حجرؒ کے بقول صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے، (۱۶) کیا کسی مسلمان کو بیت اللہ کی چابیاں دینا مشرکین سے حقِ تولیت واپس لینے کی دلیل نہیں ہے؟

البتہ اتنی بات تھی کہ آپ ﷺ نے چونکہ عام معافی کا اعلان کیا تھا، اس لیے مشرکین کو بھی بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت تھی۔ سورۂ براءت کی مذکورہ آیتوں کے نزول کے بعد ان کا داخلہ نہ صرف مسجدِ حرام میں بند کیا گیا، بلکہ پورے حرم کو ان کے لیے ممنوع قرار دیا گیا۔

آنجناب نے ان مذکورہ آیتوں کو حقِ تولیت کی منسوخی کی دلیل بنایا، جو کئی وجوہ سے مخدوش استدلال ہے:

وجہ اول: آنجناب کی پیش کردہ آیتوں میں سے سورۂ براءت کی آیت نمبر: ۲۸ تو اپنے مفہوم کے ساتھ بالکل واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ اس کا مقصد مشرکین کا مکہ میں داخل ہونے کی ممانعت کا بیان ہے۔ آنجناب کے استدلال کی ''بنیادی غلطی'' یہی ہے کہ آنجناب نے داخل ہونے اور نہ ہونے کی بحث کو تولیت کی بحث کے ساتھ ''خلط'' کر دیا، حالانکہ ان دونوں میں واضح فرق ہے، کیونکہ کسی مقام میں کسی کے داخل ہونے کی اجازت سے اس مقام کی تولیت اس کے لیے کیسے لازم آ گئی؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یَـٰٓأَیُّهَا الَّـذِیْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوْا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا''۔ (براءت:۲۸)

''اے ایمان والو! مشرک لوگ تو سراپا ناپاکی ہیں، لہٰذا وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں''۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

''المراد: النهی عن الدخول إلا أنه نهی عن القرب للمبالغة''۔ (۱۷)

یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے ذیل میں مفسرین نے مسجدِ حرام اور بقیہ مساجد میں مشرکین اور اہلِ کتاب کے دخول کے جواز و عدمِ جواز پر بحث کی ہے۔ اور اس بارے میں فقہاء کے مذاہب تفصیل سے بیان کیے ہیں (۱۸) لیکن تولیت کا مسئلہ قدماء میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا، آنجناب نے کس طرح اس سے تولیت کی منسوخی اخذ کی، ہمیں معلوم نہیں ہو سکا؟ حالانکہ خود آنجناب نے ''اصول'' بنایا تھا کہ اس معاملے میں ''صریح دلیل'' کی ضرورت ہے۔

وجہ دوم: تولیت کی منسوخی کے لیے اس آیت کے علاوہ آنجناب نے مذکورہ سورت کی آیت نمبر: ۱۷ کو بھی دلیل بنایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ أَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِیْنَ عَلٰی أَنْفُسِهِمْ بِالْکُفْرِ''۔ (براءت:۱۷)

ترجمہ: ...... ''مشرکین اس بات کے اہل نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں''۔

اس آیت کو منسوخی کا ''اعلان'' قرار دینا بھی بوجوہ درست نہیں ہے:

پہلی وجہ: آنجناب کو علم ہوگا کہ تولیت کے لیے عربی میں ''عمر'' کا مادہ استعمال نہیں ہوتا، بلکہ ''ولی'' کا مادہ آتا ہے۔ آنجناب آباد کرنے سے تولیت کس ''دلالت'' کی بنیاد پر لے رہے ہیں؟

اگر بالفرض دلالت کی کسی قسم سے تولیت بھی اس کے مفہوم میں آ جائے تو صریح نہ ہونے کی بنیاد پر آنجناب کے اصول کی بنیاد پر''کالعدم'' ہے۔

دوسری وجہ: مفسرین نے اس آیت کے تحت تولیت وغیرہ کی کوئی بحث ہی نہیں کی ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے ایک فاسد زعم پر رد کررہے ہیں، وہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ہم اللہ کے گھر اور اس کے مہمانوں کی خدمت بجالاتے ہیں، تو اللہ نے ان آیات میں ان کا رد کیا کہ اصل قابلِ فخر چیز ایمان ہے، نیز جب وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے تو ان کی ان خدمات کا کوئی فائدہ نہیں ہے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

''والغرض إبطال افتخار المشركين بذلک لا قترانہ بما ينافيه وهو الشرک''۔ (۱۹)

اسی بات کو تفسیر طبری میں بھی بیان کیا گیا ہے (۲۰) اگر ان آیات کا مقصد مشرکین سے بیت اللہ کی تولیت کی منسوخی کا اعلان ہے، جیسا کہ آنجناب کا''گمان'' ہے، تو پھر اس چیز کو سرفہرست ہونا چاہیے تھا، کیونکہ یہ یقیناً اس امت کی تاریخ میں ایک یادگار اور سب سے بڑا اعلان تھا اور مسلمانوں کو بیت العتیق کی تولیت کے اعلان پر سب سے زیادہ خوشی منانی چاہیے تھی، حالانکہ اس طرح کی کوئی بات تواریخ میں منقول نہیں ہے۔

تیسری وجہ: ان آیات کے نزول کے بعد اسی سال حج کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو مشرکین کے بھرے اجتماع میں کچھ اعلانات کے لیے بھیجا، اس میں بھی تولیت کا اعلان سرے سے غائب ہے، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ:

'' أمره أن ينادي في المشركين أن لا يحج بعدالعام مشرک ولايطوف بالبيت عريان''۔ (۲۱)

ترجمہ: ''حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگا ہوکر بیت اللہ کا طواف نہ کرے''۔

اگر واقعی ان آیات سے مشرکین کا حق تولیت منسوخ ہوا تھا تو اس کو تو سرفہرست ہونا چاہیے، آنجناب نے یہاں بھی اسی''خلطِ مبحث'' سے کام لیتے ہوئے اس اعلان کو حقِ تولیت کی منسوخی کا اعلان قرار دیا، حالانکہ یہ بات بدیہی ہے کہ حج سے روکنا اور بیت اللہ میں داخل ہونے کی ممانعت الگ بحث ہے، اور تولیت ایک الگ بحث ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ آنجناب نے جو یہ مقدمہ''تراشا'' ہے کہ مشرکین کو مسجدِ حرام کی تولیت سے ایک صریح نص کی بنیاد پر محروم کیا گیا، سرے سے غلط ہے، کیونکہ تولیت تو مشرکین سے فتح مکہ کے موقع پر ہی لے لی گئی تھی، اگرچہ ان کا مکمل داخلہ ۹ھ میں سورۂ براءت کی مذکورہ آیات کی بنیاد پر بند کیا گیا۔ اور یہ تولیت اسی سنت اللہ کے نتیجے میں آپ ﷺ نے لی، جس کا ذکر سابقہ صحف اور فرقان

حمید میں بار بار رہوا تھا اور پچھلے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ بھی اس پر شاہد تھی۔

حوالہ جات

۱......ملاحظہ ہو! آنجناب کا مضمون: مسجدِ اقصیٰ کی بحث اور حافظ محمد زبیر کے اعتراضات (ماہنامہ الشریعہ مارچ ۲۰۰۷ء)

۲...... بخاری شریف، ۱۴۶/۴، رقم الحدیث: ۳۳۶۶، مراد وہ حدیث ہے، جس میں دونوں مسجدوں کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا عرصہ بیان ہوا ہے۔

۳......سنن نسائی، باب فضل المسجد الاقصیٰ، رقم الحدیث: ۶۹۲، اس حدیث کی طرف اشارہ ہے، جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر بیت المقدس کا ذکر ہے۔

۴......الکامل فی التاریخ، ۱۷۳/۱۔

۵......فتح الباری، ۶۵/۳۔

۶...... بخاری شریف، ۶۰/۲، رقم الحدیث: ۱۱۸۹۔

۷...... بخاری، رقم الحدیث: ۳۳۶۶۔

۸......سنن ابن ماجہ، الصلاۃ فی المسجد الجامع، رقم الحدیث: ۱۴۱۳۔

۹......بدائع الصنائع، باب الاعتکاف ۱۱۳/۲، باب مکان الاحرام، ۱۶۴/۲۔

۱۰......فتح الباری، ۶۵/۳۔

۱۱......ملاحظہ ہو! معجم ما الف فی فضائل وتاریخ المسجد الاقصیٰ۔

۱۲...... براہین، ص: ۲۴۰۔

۱۳......روح المعانی، ۱۰۶/۶۔

۱۴......تفسیر القرطبی، ۳۹۷/۷۔

۱۵......زاد المعاد، ۴۹۴/۳۔

۱۶......الاصابہ، ۲۲۰/۴۔

۱۷......روح المعانی، ۶/۱۰۷۔

۱۸......تفسیر القرطبی، ۱۵۴/۱۰۔

۱۹......روح المعانی، ۶۴/۱۰۔

۲۰......تفسیر طبری، ۱۶۸/۱۴۔

۲۱......ابن کثیر، ۱۷۳/۷۔

(جاری ہے)

برقی تصویر

(پانچویں قسط) مفتی شعیب عالم

اصل اور عکس کا فرق

اس عنوان کے تحت بالترتیب تین امور پر گفتگو کرنی ہے:
ا:...اصل اور عکس کے حکم میں فرق ہے۔
۲:...دونوں کا فرق روشنی کی وجہ سے ہے۔
۳:...عکس اور برقی تصویر کا فرق زیادہ جوہری اور بنیادی ہے۔

فقہاء اصل اور عکس کے حکم میں فرق کرتے ہیں۔کوئی چیز پانی میں ہو اُسے دیکھنے کا حکم کچھ ہے تو پانی کے اندر کسی شئے کا عکس دیکھنے کا حکم کچھ اور ہے۔درج ذیل عبارت میں وضاحت کے ساتھ اس فرق کو بیان کیا گیا ہے:

’’....لو نظر إلی الأجنبية من المرآة أو الماء وقد صرحوا فی حرمة المصاهرة بأنها لاتثبت برؤية فرج من مرآة أوماء لأن المرئی مثالهٗ لا عينهٗ بخلاف مالو نظر من زجاج أو ماء هی فيه لأن البصر ينفذ الزجاج والماء فيری ما فيه ....‘‘۔ (فتاویٰ شامی،فصل فی النظر واللمس،۶/ ۳۷۲،ط:ایچ ایم سعید)

ترجمہ:...’’اگر اجنبی عورت کا عکس آئینے یا پانی میں دیکھے،فقہاء نے حرمت مصاہرت کی بحث میں تصریح کی ہے کہ عورت کی شرمگاہ کا عکس آئینے یا پانی میں دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی،کیونکہ نظر آنے والی چیز شرمگاہ کا عکس ہے،بذاتِ خود شرمگاہ نہیں ہے۔البتہ جس صورت میں عورت کو شیشے میں یا پانی میں دیکھے تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی،کیوں کہ نظر شیشہ اور پانی سے پار ہوجاتی ہے اور جو چیز ان میں ہو وہ نظر آجاتی ہے‘‘۔

اس فرق کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ دیکھنے دیکھنے میں فرق ہے،اس لیے اصل اور عکس کے

احکام میں بھی فرق ہے۔ اس فرق کی وضاحت اس طرح ہے کہ دیکھنا تین طرح پر ہوتا ہے:

ا:...آنکھ اور شئے کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔ اس صورت میں روشنی براہِ راست آنکھ تک پہنچتی ہے۔

۲:...شیشے میں یا عینک لگا کر دیکھنا۔ اس صورت میں روشنی شیشے سے پار ہو کر آنکھ تک پہنچتی ہے۔

۳:....آئینے یا اسٹیل وغیرہ میں کسی شئے کا نظر آنا۔ اس صورت میں روشنی منعکس ہو کر آنکھ تک پہنچتی ہے۔

ان تینوں صورتوں میں سے پہلی دو صورتوں میں آنکھ اصل شئے کو دیکھتی ہے، اس لیے اس پر اصل کو دیکھنے کے احکام جاری ہوتے ہیں، جب کہ تیسری صورت میں آنکھ پر چھائیوں کو دیکھتی ہے، اس لیے اس پر عکس کو دیکھنے کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

قابل غور امر یہ ہے کہ اصل اور عکس کا فرق صرف روشنی کے براہِ راست آنکھ تک پہنچنے اور نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روشنی کا ذرا سا فرق حکم کی تبدیلی میں اثر رکھتا ہے تو جس صورت میں روشنی بالکل تبدیل ہو جائے تو وہ تبدیلی یقیناً حکم کی تبدیلی میں مؤثر ہوگی۔

اب جن تین صورتوں کا اوپر بیان ہوا، ان میں تو روشنی اپنی طبعی حالت (Physical State) پر برقرار رہتی ہے اور آنکھ تک پہنچنے سے پہلے وہ کسی اور قوت مثلاً: برقی یا مقناطیسی یا ریڈیائی قوت میں تبدیل نہیں ہوتی، جب کہ کیمرا روشنی کی کرنوں کو برقی لہروں میں بدل دیتا ہے، جس سے روشنی کی حقیقت و ماہیت بدل جاتی ہے اور عکس کا وہ بنیادی وصف فوت ہو جاتا ہے جو عکس کے وجود کے لیے ضروری ہے۔ عکس میں روشنی اُلٹے پاؤں لوٹ جاتی ہے، لیکن جب روشنی روشنی نہ رہی، بلکہ بجلی بن گئی تو اس کا لوٹنا کیسے ہو سکتا ہے؟

”والعکس فی اللغة: عبارة عن ردالشیء علی سننه بطریقه الأول مثل عکس المرآة، إذا ردت بصرک إلی وجهک بنور عینک“۔

(التعریفات للجرجانیؒ، ص:٦٦، طبع اولی، مطبع خیریہ مصر)

خلاصہ یہ کہ عکس قدرتی لہروں کا مجموعہ ہوتا ہے، جبکہ برقی تصویر مصنوعی اور بناوٹی لہروں کے نتیجے میں تشکیل پاتی ہے۔ یہ ایک واضح فرق ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ برقی منظر کو عکس کہنا درست نہیں ہے۔ مگر اس قدرتی اور بناوٹی لہروں کے فرق کو فیصلہ کن حیثیت دینے سے پہلے دو اور نتائج بھی غور و فکر چاہتے ہیں، جو اسی فرق کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں:

الف:......ڈیجیٹل تصویر کی طرح آج کل ڈیجیٹل ساؤنڈ کا استعمال بھی عام ہے۔ اگر امام ڈیجیٹل آلہ استعمال کر کے نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو امام کی اصل آواز پہنچے گی یا اصل آواز کی باز گشت؟ کیونکہ ڈیجیٹل سسٹم میں تصویر کی طرح آواز کو بھی برقی لہروں میں بدلا جاتا ہے اور پھر اصل لہروں کی طرح لہریں پیدا کر کے امام کی آواز کی طرح آواز پیدا کی جاتی ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ

نمازیوں نے بعینہٖ امام کی آواز نہیں سنی، بلکہ ایک اور آواز سنی جو امام کی آواز کا چربہ اور نقل تھی اور نمازیوں نے اس نقل مشابہ اصل آواز کو سن کر قیام، رکوع اور سجدہ کیا، جس سے ان کی نماز فاسد ہوگئی۔

ب:......جو پروگرام براہِ راست نشر ہوتے ہیں، ان میں بھی منظر کو برقی ذروں میں تبدیل کر کے نشر کیا جاتا ہے۔ اب اگر قدرتی اور مصنوعی لہروں کے فرق کو اس قدر اہمیت دی جائے تو براہِ راست پروگرام بھی عکس نہیں ٹھہرتے ہیں، کیونکہ وہ بھی بناوٹی لہروں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ کلوز سرکٹ کیمرے کا بھی اضافہ کیجیے، کیونکہ وہ بھی روشنی کی شعاعوں کو برقی لہروں میں بدل دیتا ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب آسان ہے، کیوں کہ نمازی کا خارجِ نماز شخص کے حکم کی تعمیل کرنا اس وقت اس کی نماز کو فاسد کرتا ہے، جب عمل درآمد سے مقصود اس شخص کی اتباع اور دل جوئی ہو، لیکن اگر مقصود اس شخص کی اتباع نہ ہو، بلکہ شریعت کی اتباع ہو اور وہ شخص محض واسطہ بن گیا ہو تو پھر نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اس بے جان آلے کی اتباع نہیں کرتا ہے، بلکہ شریعت کی اتباع کرتا ہے، کیونکہ حکم ہے کہ امام کی نقل وحرکت کے ساتھ تم بھی نقل وحرکت کرو، اس آلے سے صرف اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ اب امام رکوع میں ہے، اب سجدے میں ہے۔ یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے، اس لیے زیادہ تفصیل کی حاجت معلوم نہیں ہوتی۔ تفصیل کے طالب حضرات مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''آلاتِ جدیدہ اور ان کے شرعی احکام'' ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

جو پروگرام براہِ راست نشر ہوتے ہیں، اُنہیں جب تک محفوظ نہ کرلیا جائے، وہ تصویر کی تعریف میں نہیں آتے، اور جب اُنہیں محفوظ کرلیا جائے تو پھر وہ تصویر کی ذیل میں آجاتے ہیں۔ یہی حکم کلوز سرکٹ کیمرے کا بھی ہے کہ جب تک منظر کو محفوظ نہ کیا جائے، وہ تصویر نہیں ہے، مگر جوں ہی اُسے محفوظ کرلیا جائے تو وہ تصویر کی تعریف میں داخل ہو جاتا ہے۔ البتہ اس طرح کے کیمرے سیکورٹی خدشات اور جان ومال کے تحفظ کی غرض سے لگائے جاتے ہیں، اس لیے جہاں ایسی ضرورت ہو وہاں ''شریعت کا قانونِ ضرورت'' متوجہ ہوگا۔ اگر ضرورت واقعی ضرورت ہو یعنی معقول ہو اور شریعت کی نگاہ میں قابل قبول ہو، تو ایسے کیمروں کے استعمال کی اور ان کے ذریعے مناظر کو محفوظ کرنے کی اجازت ہوگی، اور جہاں ضرورت شریعت کے معیارات اور اصولوں پر پوری نہ اترتی ہو، وہاں اجازت نہ ہوگی۔

یہ سوال کہ کون سی ضرورت شرعی ضرورت ہے اور کون سی ضرورت اردو محاورے والی ضرورت ہے؟ کون سی ضرورت حقیقی ضرورت ہے اور کون سی دنیا کے شور اور پروپیگنڈے کے زور پر اسلام کی ضرورت جتائی جارہی ہے؟ اس کا تعین ہمارے موضوع اور بحث سے خارج ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ براہِ راست پروگرام کو جب محفوظ کرلیا جائے تو وہ بھی تصویر کے زمرے میں آجاتا ہے، اس کے ثبوت میں وہ تمام دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں جن کا ماقبل میں ذکر ہوا، تاہم خاص

طور پر اس فقرے کے پسِ پشت استاذ جی مرحوم مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی سوچ کارفرما ہے، جب کبھی ان سے استفسار ہوتا کہ برقی تصویر پائیدار نہیں ہوتی تو حضرت شہیدؒ کا جواب ہوتا کہ: ''محفوظ تو ہوتی ہے۔'' کبھی یہ بھی فرماتے کہ: ''اگر یہ عکس ہے تو اصل کہاں ہے؟'' مطلب یہ ہوتا تھا کہ عکس تو ذی عکس کے غائب ہونے سے ختم ہوجاتا ہے، مگر برقی تصویر پھر بھی برقرار رہتی ہے۔

یہ اکابر کا کمال ہے کہ وہ سادہ اور مختصر لفظوں میں بہت بڑی اور گہری حقیقت بیان کرجاتے ہیں۔ اوراق کے اوراق سیاہ کرنے کے باوجود حقیقت وہی ہے جو حضرتِ استاذؒ نے ایک چھوٹے سے فقرے اور معنویت سے بھرپور جملے میں ارشاد فرمادی ہے کہ: ''محفوظ تو ہوتی ہے۔''

یہ اس قدر گہرا اور بلیغ جملہ ہے کہ اس میں کیمرے کے مقصد کا بیان بھی ہے، اختلاف کی رعایت بھی ہے، حقیقت کی وضاحت بھی ہے اور یہی جملہ تمام فنی تفصیلات کا مغز، نچوڑ، لب لباب اور حاصل ہے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ کیمرے کی ایجاد کا مقصد اشیاء اور مناظر کا بصری ریکارڈ محفوظ رکھنا ہے۔ پچھلوں کے علوم وفنون تحریر کے ذریعے ہمارے پاس محفوظ ہیں، ماضی کے حالات اور واقعات سے زبانی حکایات اور سینہ بہ سینہ روایات کے ذریعے ہم باخبر ہیں، مگر اشیاء کا بصری ریکارڈ محفوظ رکھنا اس دن سے ممکن ہوا ہے، جب سے کیمرے کی ایجاد ممکن ہوئی ہے۔ کسی بے جان شئے کی بصری یادداشت محفوظ رکھنے میں تو حرج نہیں ہے، لیکن بصری ریکارڈ اگر جان دار کا ہو تو اس کی ممانعت ہے اور شریعت کو اس سے سخت نفرت ہے، کیوں کہ یہی چیز اکثر فتنے کا باعث بنتی ہے، طویل انسانی تاریخ اس پر شاہد ہے۔

استاذ محترم کا تبصرہ اس لحاظ سے حقیقت پسندانہ بھی ہے کہ اس کی صداقت سے موافق کے علاوہ مخالف کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ برقی شبیہ حرام تصویر ہے یا نہیں؟ اس بحث سے قطع نظر کیا وہ محفوظ عکس ہے یا نہیں؟ جواب صرف اور صرف اثبات میں ہے اور جب برقی شبیہ محفوظ عکس ضرور ہے تو اس سے بندھا اگلا سوال یہ ہے کہ عکس تو جائز ہے، لیکن محفوظ عکس بھی جائز ہے؟

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ '' پائیدار اور محفوظ'' میں لفظی فرق اور تعبیر کا اختلاف ضرور ہے، لیکن مقصد اور نتیجے میں دونوں برابر ہیں۔ پائیداری کا مقصد بھی حفظ اور ضبط ہے اور جب یہی مقصد ہے تو دونوں میں سوائے لفظی اختلاف کے کوئی اور فرق نہیں ہے۔ اور یہ بحث بھی اس صورت میں ہے جب تصویر کے لیے قیام ودوام کی شرط کو ایک لازمی شرط کے طور پر تسلیم کیا جائے، ورنہ اگر اس شرط کو وزن نہ دیا جائے یا کم از کم اسے فیصلہ کن حیثیت نہ دی جائے، جیسا کہ ہم بحث کرآئے ہیں، تو پھر کوئی اختلاف ہی نہیں رہتا ہے۔

(جاری ہے)

اکابر دیو بند اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ تبلیغ اسلام کی حقیقت

مفتی عارف محمود

جدید تحقیق کا فتنہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو شریعت خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو عنایت فرمائی ہے، اس میں تا قیامت تمام انسانی طبقات کے لیے ہر دنیاوی شعبے میں زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق مکمل رہبری ورہنمائی موجود ہے۔ اور امت کا متاعِ بے عیب شریعتِ محمدیہ کے اُن ترجمانوں کا مرہونِ منت ہے، جنہوں نے ہمیشہ اپنے اسلاف کے طور طریقوں کو زبانی بھی پہنچایا اور عملاً بھی اور شریعت محمدیہ میں کسی بھی نئی بات کو جو صاحبِ شریعت اور خیر القرون کے مزاج کے خلاف ہو، یکسر مسترد کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کی، مگر آج جہاں ہر طرف فتنوں کا دور دورہ ہے، ان فتنوں میں ایک بہت ہی خطرناک فتنہ اُنہی سلفِ صالحین پر بے اعتمادی اور جدید تحقیق کا فتنہ ہے۔ نام نہاد مذہبی اسکالرز، پروفیسرز اور ڈاکٹرز حضرات بزعمِ خویش محققین علی الاطلاق بن کر نت نئی تحقیقات منظر عام پر لا رہے ہیں۔ ان ناعاقبت اندیشوں اور جدیدیت کے علمبرداروں کی ان نئی تحقیقات سے قرآن وحدیث، بلکہ امت کے چودہ سو سالہ اجماعی مسائل بھی چیلنج کر دیئے گئے۔

جدید تحقیقات کے اہداف ومقاصد

’’عالمی یہودی تنظیمیں‘‘ کے مصنف کے بقول: یہ’’ جدید تحقیقات‘‘ یہود کے ان مقاصد واہداف کی تکمیل کے لیے ہیں، جن کے ذریعے انہوں نے اسلام اور مسلمان معاشرے میں انتہائی خطرناک اور زہریلے فتنوں کو برپا کرنا ہے۔ وہ اسی کتاب میں انہیں لوگوں کے بارے میں رقم طراز ہیں: ’’چوتھا اور سب سے خطرناک طبقہ ان نام نہاد بزعمِ خود محققین، پروفیسرز، اسکالرز اور ڈاکٹرز حضرات کا ہے۔‘‘ مزید تحریر فرماتے ہیں: ’’ان کی دعوت میں اکابر پر بے اعتمادی اور خود نمائی، خود بینی، اپنی رائے پر اصرار اور اپنی جدید تحقیق کی تمام سابق تحقیقات پر ترجیح، بنیادی اور لازمی عنصر کے طور پر

شامل ہوتی ہے، جو ان کی سیاہ بختی اور شقاوتِ قلبی کی علامت اور آزاد خیالی و گمراہی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ جب کہ نبوی طرز پر کام کرنے والے داعیانِ دین اپنی ذات کی نفی کر کے مخلوق کو خود سے جوڑنے کے بجائے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور سلفِ صالحین سے جوڑتے ہیں، ہمیشہ سابقہ علمائے راسخین کے علم وتقویٰ پر غیر متزلزل اعتماد رکھتے اور اپنی رائے کو متہم سمجھتے ہیں، اکابر کی غلطیاں نکال کر اپنے قصیدے پڑھنے کی بجائے ان کے دامن سے وابستہ رہنے میں اپنی اور اپنے متعلقین ومریدین کی عافیت سمجھتے ہیں، کیوں کہ ان کے خیال میں اکابر اور سلفِ صالحین کے ذریعے ہی قیامت تک آنے والے مسلمان حضور ﷺ کے دامن سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ مزاج اور یہ رویہ ان کی سعادت مندی کا ذریعہ اور گمراہی سے حفاظت کی ضمانت بن جاتا ہے، جب کہ متجددین کی آزاد خیالی اور اکابرینِ امت سے ذہنی دوری ان کو عُجب وتکبر میں مبتلا کرتی اور اباحیت ولادینیت کی وادیوں میں بھٹکاتی پھرتی ہے۔''

معرکۂ حق و باطل اور علمائے حق

فتنے ہر زمانے میں رونما ہوئے ہیں، علمائے حق اور مصلحین امت نے فتنوں کا نہ صرف مقابلہ کیا، بلکہ ان کی حقیقت کو طشت از بام کرنے کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دیں اور عوام کے دین، ایمان، عقائد، نظریات اور اعمال کی حفاظت کے لیے دن رات صرف کیے، لیکن اس سارے عمل میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے فتنوں کے مقابلے میں اسلامی احکامات واصول کو پس پشت ڈال دیا ہو یا برائی کو مٹانے کے لیے برائی کا راستہ اختیار کیا ہو، کیوں کہ وہ اس بات کو یقینی طور پر جانتے تھے کہ قوموں کی ہدایت اور ان کو گمراہی سے بچانے کے لیے وہی طریقے کارآمد ہیں، جو اللہ کے برگزیدہ بندے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اختیار فرماتے رہے ہیں۔ علمائے امت نے مسلمانوں کے عقائد ونظریات کی حفاظت اور ان کی اصلاح کا یہ بے نظیر اصول ''لن یُصلح آخر هذه الأمة إلا ما أصلح أولها'' کبھی فراموش نہیں کیا اور اپنی محنتوں اور کوششوں کو جاری رکھا، نتیجۃً وہ اس طائفہ منصورہ کا مصداق قرار پائے، جس کی خبر حضور اکرم ﷺ نے آج سے چودہ صدی قبل دی تھی۔

اکابر علمائے دیوبند اور فتنوں کی سرکوبی

اکابر علمائے دیوبند کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت کا جو درد عطا فرمایا، اس میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں، فتنوں کی سرکوبی میں اللہ نے ان کو ایک خاص ملکہ عطا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کفار، یہود، ہنود، گمراہ فرقے، مبتدعین، جدت پسند اور مغربی افکار سے متاثر مفکرین، غرض تمام فتنوں کا تعاقب فرمایا اور رہتی دنیا کے لیے اس حوالے سے ایک مثالی کردار ادا کیا، موجودہ دور کے تمام فتنوں کے حوالے سے ان حضرات کی تحریریں ایک بہترین رہنما کا کام دیتی ہیں، اور احساس ہوتا ہے کہ اگر فتنوں کی بارش ہے تو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اہل اللہ اور رجالِ دین کی بھی کمی نہیں۔

مجلس دعوت و اصلاح اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب

حضرت بنوری اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمہما اللہ نے انہی علمی و عملی فتنوں کے تعاقب کے لیے ''مجلس دعوت و اصلاح'' کے نام سے ایک مجلس قائم کی تھی۔ اس موقع پر علماء کے اجتماع میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی افتتاحی تقریر سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

''دوسری طرف مسلمانوں کی صفوں میں کچھ ایسے عناصر پیدا کیے گئے ہیں، جو اصلی اسلام کو مسخ کر کے اپنی اغراض واہواء کے مطابق اسلام کا ''جدید ایڈیشن'' تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اسلامی ریسرچ اور اسلامی ثقافت کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جو مستشرقین کے اسلام دشمن حلقے اب تک نہ کر سکے تھے۔ شعائر اسلام کو مجروح اور اسلام کے اجماع اور متفق علیہ اصول و احکام کو مشکوک بنانے کی سعی پیہم قوم کے لاکھوں روپے کے صرفہ سے جاری ہے۔

اس صورت حال کے نتیجہ میں بے حیائی، عریانی، رقص و سرود، بے حجابی، اغوا، بدکاری، شراب نوشی، قمار بازی، معاشرتی افراتفری اور خاندانی نظم کی ابتری کا ایک سیلاب ہے، جو مسلمانوں میں اُمڈتا چلا آرہا ہے۔ سود، دھوکا، فریب، جعلسازی اور دوسرے اخلاقی معائب معاشرے کی ایمانی اور اخلاقی حس کو مضمحل سے مضمحل تر کیے جا رہے ہیں۔ اور عام نظم و نسق کا تعطل اس حد تک شدید ہو چکا ہے کہ ایک عام آدمی کے لیے حصولِ انصاف تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔

یہ سیلاب مغربی تہذیب کے گہوارے سے شروع ہوا اور اب دین دار مسلمانوں تک کے گھروں میں گھس چکا ہے اور علماء و اتقیاء کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے اور یہ بات یقینی دکھائی دے رہی ہے کہ اگر اس سیلاب کو روکنے کی جدوجہد میں اہلِ حق نے اپنے تمام وسائل داؤ پر نہ لگا دیئے، تو چند سالوں کے بعد ہلاکت آفریں طوفان کے مقابلے کی سکت ہی باقی نہ رہے گی''۔ (بصائر وعبر، ص:۱۰۳، مکتبہ بنوریہ کراچی)

فتنے اور امت محمدیہ

''فتنے اور امت محمدیہ'' کے عنوان سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

''سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مغربیت کے ان زہریلے اثرات سے حرمین شریفین بھی محفوظ نہیں رہے۔ لڑکیوں کی تعلیم جبری ہو چکی ہے۔ تھیٹر کی بنیاد پڑ چکی ہے۔ ٹیلی ویژن جدہ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک آ گیا ہے۔ اور اس دردناک صورت میں کہ مدینہ منورہ میں ٹیلی ویژن کا افتتاح کسی امریکی فلم سے کیا گیا ہے، إنا للّٰہ۔

مسجد نبوی کے بالکل سامنے ٹیلی ویژن لگا ہوا ہے۔نماز عشاء کے بعد جب لوگ نماز سے فارغ ہوکر آتے اور صلاۃ وسلام کا تحفہ بارگاہ اقدس میں پیش کر کے نکلتے ہیں، تو دلوں میں جو رقت ونور پیدا ہوتا ہے، ٹیلی ویژن کی ظلمتیں اس کو یکسر ختم کر دیتی ہیں۔اس سے بھی بڑھ کر دردناک واقعہ یہ ہے کہ ''غزوۂ بدر کبریٰ کا ڈراما'' خاص مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم مدرسہ میں طلبہ کے ذریعہ کھیلا گیا ہے۔۱۷رمضان المبارک دوشنبہ کی رات اس کا اہتمام کیا گیا ہے، مکہ مکرمہ کے بہت سے شرفا ومعززین نے یہ ڈراما دیکھا ہے۔طلبہ نے حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم ،ابوجہل اور ولید بن المغیرہ کے کردار ادا کیے ہیں۔اس ڈرامے میں بار بار حضرت مقدادؓ اور حضرت بلالؓ کو پردے کے پیچھے بھیجا جاتا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ سے دریافت کر کے آئیں کہ ان کی کیا رائے ہے؟ اسلام اور تاریخ اسلام کے خلاف امریکا اور یورپ کے شیاطین جو کام خود نہ کر سکے تھے، وہ مسلمانوں سے کروادیا، **فیا غربة الاسلام! ویا غربة المسلمین!**۔ حرمین شریفین کے وہ علماء اور نجد وریاض کے وہ مشائخ جن پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مدار ہے اور انہی کے فتاویٰ کی پورے ملک میں وقعت ہے، بلکہ دینی ذمہ داری اور شرعی احتساب کا دار ومدار انہی پر ہے، وہ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ '' حکومت کے سیاسی مصالح اس تمدن وتہذیب کے اپنانے کے مقتضی ہیں، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے یا کچھ نہیں کر سکتے۔

لمثل هذا یذوب القلب عن کبد
إن کان فی القلب إسلام وإیمان''

(بصائر وعبر،ص:۹۴، مکتبہ بنوریہ، کراچی)

تصویر سازی کا فتنہ اور علمائے مصر کے تلخ تجربات

تصویر سازی بھی ایک ایسا فتنہ ہے جس نے شرک، بدعات، فحاشی، بے حیائی، بے غیرتی، بے دینی اور نجانے کتنے فتنوں کو جنم دیا ہے۔یہ ایک ایسا فتنہ ہے جو متعدی ہے، اس کی جتنی شناعت وقباحت بیان کی جائے، کم ہے۔اسی حوالے سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

''حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو وعید آئی ہے، وہ ہر جان دار کی تصویر میں جاری ہے اور تمام امت جان دار اشیاء کی تصویر کی حرمت پر متفق ہے، لیکن خدا غارت کرے اس مغربی تجدد کو کہ اس نے ایک متفقہ حرام کو حلال ثابت کرنا شروع

کر دیا۔اس فتنۂ اباحیت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز مصر اور قاہرہ تھا، چنانچہ آج سے نصف صدی پہلے قاہرہ کے مشہور شیخ محمد بخیت مطیعی نے جو شیخ الازہر تھے ''إباحة الصور الفوتوغرافية '' کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا تھا،جس میں انہوں نے کیمرے کے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔اس وقت عام علماءِ مصر نے ان کے فتوی کی مخالفت کی،حتیٰ کہ ان کے ایک شاگرد رشید علامہ شیخ مصطفیٰ حمامی نے اپنی کتاب ''النهضة الإصلاحية للأسرة الإسلامية '' میں اس پر شدید تنقید کی اوراس کتاب میں (صفحہ:۲۶۰ سے صفحہ:۲۶۸ اور صفحہ:۳۱۰ سے صفحہ:۳۲۸ تک) اس پر بڑا بلیغ رد لکھا۔ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:''تمام امت کے گناہوں کا بار شیخ کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے تمام امت کے لیے شر اور گناہ کا دروازہ کھول دیا۔''اسی مضمون میں چند سطور کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں:''اور کچھ لوگ تو اس کے جواز کے لیے حیلے بہانے تراشنے لگے ہیں،لیکن کون نہیں جانتا کہ کسی معصیت کے عام ہونے یا عوام میں رائج ہونے سے وہ معصیت ختم نہیں ہوجاتی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کسی چیز کو جب حرام قرار دے دیا تو اس کے بعد سو بہانے کیے جائیں،مگر اس کے جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔'' (بصائر وعبر:۱/۳۲،مکتبہ بنوریہ کراچی)

مجوزین حضرات کا حاصل استدلال

تصویر کی جدید شکلوں کو جائز قرار دیتے ہوئے بعض علماء کرام نے جدید الیکٹرانک میڈیا کے استعمال کو''ملی اور دینی ضرورت'' کے سبب ناگزیر قرار دیا ہے۔کبھی تو ٹی وی اور اسکرین کو جائز ثابت کرنے کے لیے یہ فرمایا کہ:''عین حالت جنگ میں ''الضرورات تبيح المحظورات'' کے تحت جواز وعدم جواز سے چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے''۔اور کبھی تصویر کی حرمت کے اجماعی مؤقف اور ایک متفقہ حرام کے بارے میں چند جزئی مستثنیات اور چند ایک اقوال کو لے کر مسئلے میں یوں اختلاف بیان کیا گیا کہ یوں محسوس ہو کہ فقہائے متقدمین کے درمیان اس حوالے سے شدید اور واضح اختلاف تھا،جس کی موجودگی میں شدت کا اختیار کرنا اور عدم جواز کے قول پر حرمت قطعیہ کا فیصلہ کرنا گویا ایک غلط اقدام کا مصداق قرار پاتا ہے۔

اکابر کے سایہ تلے

اس نازک ترین موڑ پہ مناسب یہی ہوگا کہ اکابر ہی کے دامن کو تھام کر،انہی کے اقوال وارشادات سے راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔بے شک اس میں عافیت ہی عافیت ہے۔ہمیں یہ حقیقت سمجھ میں آجائے گی کہ اکابر علماء وسلف صالحین پر بے اعتمادی کتنا خطرناک فتنہ ہے؟

اور اس میں کن لوگوں کے مقاصد کی تکمیل ہو رہی ہے؟۔ چنانچہ تصویر کی حرمت کے حوالے سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ایک طویل بحث میں ارشاد فرماتے ہیں:

''یوں تو دنیا میں حق و باطل کو گڈمڈ کرنے کی رسم بہت قدیم زمانے سے چلی آتی ہے اور حقائق اکثر ملتبس رہتے ہیں، لیکن اب تو عقلوں پر ایسا پردہ پڑا ہے کہ کسی صحیح بات کا انکشاف ہی نہیں ہوتا، بلکہ باطل محض کو حق کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے، شعائر کفر کو اسلامی شان وشوکت کا ذریعہ بتایا جاتا ہے، فسق وفواحش کو تقویٰ خیال کیا جاتا ہے۔ آج کتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کی توہین اور دین اسلام کی تذلیل ہوتی ہے، مگر بدفہمی کا یہ عالم ہے کہ انہی کو دین اسلام کے احترام کا ذریعہ بتایا جاتا ہے۔ جن چیزوں کو کل تک اعدائے اسلام رسول اللہ ﷺ سے بغض ونفرت کے اظہار کے لیے استعمال کرتے تھے، آج انہی چیزوں کو اسلام کے نادان دوست اسلام سے عقیدت کا مظاہرہ کرنے کے لیے اپناتے ہیں۔ ذہن وقلب کے مسخ ہو جانے کا قبیح منظر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ دراصل جب کسی قوم کے اندر سے دین کی حقیقی روح نکل جاتی ہے اور صرف نمائشی ڈراموں پر اس کا مدار رہ جاتا ہے، تو گھٹیا قسم کے پست اور سطحی مظاہر اس کی فکر وعمل کا محور بن جاتے ہیں، لایعنی حرکات کو حقیقی دین سمجھا جاتا ہے، فواحش ومنکرات کو دینی قدروں کا نام دیا جاتا ہے، سنت کی جگہ من گھڑت بدعات سے تسکین حاصل کی جاتی ہے۔''

کیا مزید کسی تجربہ کی ضرورت ہے؟

آج ہم جن معاملات میں اختلاف کا شکار ہیں، کیا ان مسائل میں تمام اکابر سلف کی رائے سے ہٹ کر کوئی نئی رائے اختیار کر کے کوئی تجدیدی کارنامہ سرانجام دینے کی ضرورت ہے؟ کیا کسی نے پہلے اپنے اجتہادات کے ذریعے ان مسائل میں ''ملی ودینی ضرورت'' کے عنوان سے کچھ تجربات کیے ہیں؟ جن لوگوں نے ماضی میں ایسا کیا، ان کے عبرت ناک انجام سے واقفیت کے باوجود ہم نصیحت نہیں لے رہے، کیا ہم ان لوگوں کے انجام سے واقف نہیں؟ آج سے کچھ عرصہ قبل اہل مصر جو مغربی جدت پسندی کا گڑھ ہے، جنہوں نے مختلف معاملات میں توسع سے کام لیتے ہوئے ''دینی وملی ضرورت'' کے تحت بہت سارے تجربات کیے، کیا وہ اپنے تجربات میں کامیاب ہوگئے؟ کیا ان کے میڈیا پر آنے سے مسلمانوں کے عقائد ونظریات کی حفاظت ہوئی، یا اس کے برعکس نتائج برآمد ہوئے؟ جواب یقیناً یہی ہے کہ نتائج اس کے برعکس رہے۔

جدید تجربات کے ممکنہ نتائج

امت مرحومہ پر کیے گئے ان تجربوں کے پیش نظر یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر آج دینی اور ملی ضرورت کے تحت تبلیغ اسلام اور حفاظت دین کے عنوان سے الیکٹرانک میڈیا اور چینلز کی

اجازت دی گئی، تو وہ دن دور نہیں جب پاکستان و عالم اسلام کے دینی مدارس و جامعات کے طلبہ کے ذریعہ سے قسم ہا قسم کے ڈرامے، اور فلمیں منظر عام پر لائی جائیں گی۔ بجائے مسلمانوں کے عقائد ونظریات کی حفاظت کے اوران کی اصلاح وتعمیرِ کردار کے، آئے روز ان تجربات کی بدولت مسلمان نہ صرف یہ کہ علمائے دین سے بدظن ہورہے ہیں، بلکہ رفتہ رفتہ دین اوراسلامی اقدار وتہذیب سے بھی دور ہوتے چلے جارہے ہیں اور جو دین دار طبقہ تھا، وہ بھی اس سے متأثر ہورہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کا درس دینے والا کلین شیو ہونے کے ساتھ پینٹ پتلون اور ٹائی میں ملبوس نظر آتا ہے، خدانخواستہ اگر یہی مسئلہ پاکستان میں بھی شروع ہوا تو چند ہی برسوں میں سروں سے پگڑیاں اور ٹوپیاں اترنا شروع ہوجائیں گی، داڑھی کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو مصریوں نے کیا، علماء اور دین دار طبقے کا دینی تشخص مٹ جائے گا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دوررس نگاہیں

عربوں کے انہی تجربات کے حوالے سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کو سامنے رکھ کر ہم راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرتؒ فرماتے ہیں:

’’کسی قوم کی دینی حس ماؤف ہوجانے کا جو نقشہ اوپر پیش کیا گیا، اس کا سب سے پہلا مظاہرہ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں ہمیں ملتا ہے، جب وہ اپنی بدبختی سے اپنے نبی کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر بیٹھے، تو انہیں دین کے مردہ ڈھانچے کو محفوظ رکھنے کے لیے نمائشی تصویروں کا سہارا لینا پڑا، چنانچہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ اور دیگر اکابر کی فرضی تصویریں بنائی گئیں اوران کی پرستش کو جزو دین وایمان بنالیا گیا۔ بعدازاں اس محرف مسیحیت کی ترویج واشاعت کے لیے مصنوعی ڈرامے تیار کیے گئے اوران کی فلموں کی نمائش کی گئی۔ مصر کے چند اشخاص نے سوچا کہ ہم عیسائیوں کی نقالی میں کیوں پیچھے رہیں؟ انہوں نے اس کے مقابلے میں جامع ازہر کی مجلس اعلیٰ کے بعض ارکان کی سرپرستی میں ’’فجر اسلام‘‘ کے نام سے ایک فلم تیار کی اور عرب اسلامی ممالک میں اس کا خوب چرچا ہوا، بیس بائیس ممالک میں اس کی نمائش ہوچکی ہے اوراب وہ سرزمین پاک کو ناپاک کرنے کے لیے کراچی پہنچ گئی ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اوراخبارات کے ذریعہ اس کی ایسی تشہیر کی گئی، گویا مسلمانوں کو تجدید ایمان کے اہم ذریعہ کا انکشاف ہوا ہے۔ اخبارات کے مطابق یہاں کے بعض نام نہاد علمائے دین نے بھی اس کی شرعی منظوری دے دی ہے، اوراب فرزندان اسلام پردے (اسکرین) پر اسلام کا تماشا دیکھنے کے لیے جوق درجوق تشریف لارہے ہیں، **إنا لله وإنا إليه راجعون**۔

بسے نادیدنی را دیدہ ام من
مرا اے کاش! کہ مادر نزادے''

چند استفسارات

آج پھر جس شرمناک تاریخ کو ''عقائد ونظریات کے تحفظ'' اور ''ملی ودینی ضرورت'' کا نام دے کر دہرانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، آیا اس کا اختیار کرنا شریعت کی نگاہ میں جائز بھی ہے یا نہیں؟ اگر دشمنانِ اسلام مختلف محاذوں پر آئے روز نئے نئے بھیس بدلیں تو کیا ہم بھی ان کے مقابلے کے لیے اسلامی احکامات کو پس پشت ڈال کر، بلاتفریق جائز وناجائز میدان میں کود پڑیں؟ کیا واقعی تصویر کے ذریعے دشمنانِ اسلام کا راستہ روکا جاسکتا ہے؟ جب کہ تصویر کو جائز قرار دینا خود اسلام سے دشمنی کے مترادف ہے۔

مسلمان قوم جن اخلاقی پستیوں سے دوچار ہوئی، اس کی اصلاح وتطہیر اور تصفیۂ عقائد کے لیے، وہ محنتیں اور کوششیں جو منہاج نبوت سے ہٹ کر کی گئیں، ان محنتوں اور کوششوں نے کوئی خاص تأثر نہیں چھوڑا، جب کہ نہج نبوت کے مطابق کی گئی کوششیں کارگر ثابت ہوئیں اور ہورہی ہیں اور ان کے ذریعے سے بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہورہی ہیں۔ اہل مصر کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ میڈیا کو دینی وملی ضرورت کے نام پر استعمال کرنے سے عوام الناس کے عقائد واعمال کی حفاظت ہوجائے گی؟ اپنی ترجیحات تبدیل کرکے وہ اسلام پسند بن جائیں گے؟ دنیا کے مقابلے میں آخرت کی تیاری کی فکر لاحق ہوجائے گی؟ کیا علماء کا ٹی وی پر آجانا ان فتنوں کے لیے سدسکندری کا کام دے گا؟ کہیں اس کے نتیجے میں وہ بے وقعت ہوکر ان فتنوں کے سیلاب میں بہہ تو نہیں جائیں گے؟

ایک بے بنیاد دعویٰ

یہاں یہ دعویٰ بھی بڑے زور وشور سے کیا جارہا ہے کہ اب میڈیا پر آنا ضرورت وحاجت ہی نہیں، بلکہ اضطراری کیفیت میں داخل ہوچکا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا شریعت اسلامی نے ضرورت وحاجت اور اضطرار کی کچھ حدود متعین کی ہیں یا نہیں؟ اگر اس کی حدود متعین ہیں اور فقہائے کرام نے اس کے اصول وضوابط اور مواقع ضرورت واضطرار کو ان کی تمام شروط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، تو پھر کیوں ہر ایک 'ضرورت واضطرار کے قانون کا سہارا لے کر مجتہد بَن بیٹھا ہے کہ جس چیز کو چاہا ضرورت کے دائرہ میں داخل کرکے جائز قرار دے دیا۔

نئے مجتہدین سے ضروری باتیں

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہریؒ ایسے ہی مجتہدین سے مخاطب ہوکر '' نئے مجتہدین سے ضروری باتیں'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''اب جو نئے مفتی آتے ہیں، انہوں نے فرما دیا کہ ٹیلی ویژن آج کل ضروریات انسان میں داخل ہو چکا ہے، گویا کہ اگر اس میں کوئی پہلو عدم جواز کا تھا بھی! تو ''الضرورات تبیح المحظورات'' کے پیش نظر وہ بھی کالمعدوم ہوگیا، کیا یہ بھی کوئی شرعی دلیل ہے کہ انسان معصیت کا اس حد تک خوگر بن جائے کہ اُسے چھوڑے تو اضطراری کیفیت ہو جائے؟ اور پھر اس معصیت کو حلال کر لے؟ ٹی وی کو کسی نے آئینہ بنا دیا اور کسی نے ضرورت میں داخل کر دیا۔''

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ''الضرر لایزال'' اور ''لاضرر و لا ضرار'' اور ''الضرورات تبیح المحظورات'' سے استدلال کے حوالے سے بھی بحث فرمائی ہے کہ کون سا قاعدہ مقید ہے؟ اور اس سے استدلال کی کیا حیثیت ہے؟ مزید تفصیل کے لیے حضرت کی کتاب ''تبلیغی و اصلاحی مضامین'' (جلد:۴، صفحہ:۱۴۸ سے ۱۵۸ تک) کا مطالعہ فرما لیا جائے، ان شاء اللہ! مزید وضاحت کے ساتھ ساتھ اس حوالے سے پیدا کیے گئے شکوک وشبہات ختم ہو جائیں گے۔

بعض قواعد فقہ کا بے دریغ استعمال، ضرورت و حاجت کا اعتبار کب ہوگا؟

ہمارے مجوزین حضرات بعض قواعد فقہ کا بے دریغ استعمال فرما رہے ہیں، اس کے ساتھ یہ بات بھی ان کے پیش نظر رہے کہ ضرورت و حاجت کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کو ضرورت کا نام دے کر اختیار کیا جا رہا ہو، اس کا کوئی اور جائز متبادل موجود نہ ہو اور اس کے اختیار کرنے سے اساسیات ومبادیاتِ دین کی مخالفت نہ ہوتی ہو، اسی طرح یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جس چیز کو ضرورت کے نام پر جائز کہا جا رہا ہے، اس سے کہیں بڑے مفاسد تو جنم نہیں لے رہے؟ یا کسی یقینی اور واقعی ضرر کا اندیشہ تو نہیں؟

''الضرر لا یزال بالضرر'' کے پیش نظر یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ جس چیز کو مجوزین حضرات کے اجتہاد نے جائز قرار دیا ہے، اس میں ضرر کے کئی پہلو پوشیدہ ہیں، جن کا اعتراف دبے چھپے لفظوں میں انہوں نے خود بھی کیا ہے، تو پھر ضرر کے ذریعے ضرر کو دفعہ کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ جب ایک کام میں اچھائی یا برائی دونوں جمع ہوں تو اچھائی اور فائدہ کو نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ اُسے چھوڑ کر نقصان اور ضرر سے بچنے کی کوشش کی جائے گی، یعنی جہاں مفاسد اور مصالح کا ٹکراؤ ہو تو مفاسد کا دور کرنا ضروری قرار پاتا ہے اور اسی کو مقدم رکھا جاتا ہے:

''إذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدمت دفع المفسدة غالباً''.

ترجمہ:......''جب مصلحت (فائدہ) اور مفاسد (نقصان وضرر) کا ٹکراؤ ہو تو مفاسد کے دور کرنے کو ترجیح دی جائے گی''۔

دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے

بریداحمد نعمانی

موجودہ گھڑیاں اہل ایمان کے لیے پُر آشوب ہیں۔ ملک وملت جس نازک دورا ہے سے گزر رہے ہیں، اس میں بظاہر تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ظلمت ایسی کہ ہر نفس بے چین و پریشان ہے۔ گھروں میں، بازاروں میں، سڑکوں پر غرض جہاں آپ چلے جائیں ہیجانی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہر کوئی بے سکون ومضطرب نظر آرہا ہے، زبانوں پر ایک ہی سوال ''آئندہ کیا ہوگا؟'' دلوں میں ایک ہی تمنا وآرزو کہ کسی طرح آفات وآلام کا یہ پہاڑ سر سے ٹل جائے۔ جس کسی کا ذہن اور تجربہ جہاں تک کام کرتا ہے، وہ اس کے مطابق رائے پیش کردیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے ہمارے مسائل کا حل منصفانہ انتخابات میں پوشیدہ ہے۔ کوئی کرپشن زدہ حکمرانوں کو دشنام دیتا ہے۔ کوئی جاگیرداروں، سرمایہ داروں، وڈیروں اور افسر شاہی کا شاکی دکھائی دیتا ہے۔ کوئی قوم کی فلاح و بہبود کے لیے جمہوریت جمہوریت کا نعرہ لگاتا سنائی دیتا ہے۔ ذرائع ابلاغ رات دن اپنے تجزیوں، تبصروں میں ملکی مسائل کا رونا روتے رہتے ہیں۔ مگر حل کیا ہے؟ ایسا حل جو حقیقی، نتیجہ خیز اور کارگر ہو، الجھی ہوئی ڈور کا ایسا سرا جس کو پکڑنے سے ساری گتھیاں خود بخود سلجھتی جائیں، معاشرہ بحرانوں کے بھنور سے نکل آئے، قلوب کو سکون اور اذہان کو تراوٹ نصیب ہو سکے۔

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ انسانی قلب کا سکون وآرام اللہ کی یاد میں ہے، پروردگار عالم کے ذکر سے اضطرار کو قرار ملتا ہے، بے سکونی کا احساس ختم ہوتا ہے، ظلمتوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم بیماریوں کا ذکر تو کرتے ہیں، مگر اس کے علاج کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ہم لفظی اور زبانی کلامی باتوں پر تو یقین رکھتے ہیں، مگر قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے کتراتے ہیں۔ اللہ رب کریم ارشاد فرماتے ہیں:

> ''بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی بے قرار اُسے پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور تکلیف دور کردیتا ہے اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔'' (النمل:۶۲)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ''لوگوں کی بھی عجیب حالت

ہے، چاہتے یہ ہیں کہ کرنا تو کچھ پڑے نہیں اور کام سب ہو جائیں۔بعض شب و روز اس انتظار میں رہتے ہیں کہ فلاں کام سے فارغ ہو جائیں، فلاں مقدمے سے نمٹ لیں، فلاں کی شادی سے فارغ ہو جائیں، تب خدا کی یاد میں لگیں۔ چوں کہ ایسی فراغت میسر نہیں ہوتی، اس لیے ایسا شخص کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، محروم ہی رہتا ہے اور ایک دن موت آ کر کام تمام کر دیتی ہے۔ یاس اور حسرت کی حالت میں خسران کی گٹھڑی سر پر رکھے ہوئے اس عالم سے رخصت ہو جاتا ہے۔کام کرنے کی صورت تو یہی ہے کہ اس آلودگی کی حالت میں خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اس کی برکت سے فراغ بھی میسر ہو جائے گا۔اور دنیا میں رہتے ہوئے کہاں فراغ؟ یہ نفس وشیطان کا ایک بڑا زبردست کید (دھوکا) ہے۔لوگ (حق تعالیٰ تک) رسائی کی تمنا تو کرتے ہیں، مگر معلوم بھی ہے کہ رسائی کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں، جن میں پہلی شرط یہ ہے کہ تم برے ہو یا بھلے، اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، پھر رحمت حق تم کو از خود جذب کرے گی۔ ذرا کام میں تو لگ کر دیکھو، (حق تعالیٰ) تمہاری اس ٹوٹی پھوٹی ہوئی متاع کو کیسے قبول فرماتے ہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت:۲/۱۰۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اذکار و دعوات کو دس قسموں میں تقسیم کیا ہے:

’’۱:......تسبیح۔۲:......تحمید۔۳:......تہلیل۔۴:......تکبیر۔۵:......فوائد طلبی اور پناہ خواہی۔ ۶:......اظہار فروتنی و نیازمندی۔۷:......توکل۔۸:......استغفار۔۹:......اسمائے الٰہی سے برکت حاصل کرنا۔۱۰:......درود شریف۔‘‘

محدث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم ذکر کردہ تقسیم کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

’’پہلا اور دوسرا ذکر تسبیح و تحمید ہیں۔تسبیح کے معنی ہیں تمام عیوب و نقائص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا۔تحمید کے معنی ہیں تعریف کرنا، یعنی تمام خوبیوں اور کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا۔ جب کسی جملہ میں تسبیح و تحمید دونوں جمع ہو جائیں تو وہ معرفت ربانی کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے، جیسے: ’’**سبحان الله وبحمده**‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور خوبیوں کے ساتھ متصف ہیں ’’**سبحان الله العظيم**‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور عظیم المرتبت ہیں۔ بڑے مرتبے والا وہی ہوتا ہے جو خوبیوں کے ساتھ متصف ہو، اسی وجہ سے حدیث میں ان دونوں جملوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دونوں جملے زبان پر ادائیگی میں ہلکے اور ترازو یعنی ثواب میں بھاری اور رحمٰن (مہربان ہستی) کو بہت پیارے ہیں۔

تیسرا ذکر تہلیل ہے۔’’لا إله إلا الله‘‘ میں توحید اور شانِ یکتائی کا بیان ہے۔ یہ جملہ شرک جلی وخفی کو دفع کرتا ہے اور جملہ حجابات کو رفع کرتا ہے۔حدیث میں ہے ’’لا إله إلا الله‘‘ کے لیے اللہ تعالیٰ سے وَرے کوئی حجاب نہیں، یہاں تک کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

چوتھا ذکر تکبیر ہے۔’’الله أكبر‘‘ کے ذریعے اللہ کی عظمت وقدرت اور سطوت و شوکت کو پیش نظر لایا جاتا ہے اور یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف مشیر ہے۔ حدیث میں اس کی یہ فضیلت آئی ہے کہ اللہ اکبر آسمان و زمین کو بھر دیتا ہے۔

پانچواں ذکر فوائد طلبی اور پناہ خواہی ہے، یعنی ایسی دعائیں جن میں ایسی مفید چیزیں طلب کی جائیں جو جسم یا روح کے لیے مفید ہوں، خواہ نفع خلقت کے اعتبار سے ہو یا دل کے سکون کے اعتبار سے، جیسے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور طلب کرنا اور خواہ ان فوائد کا تعلق اہل و عیال سے ہو یا جاہ و مال سے، اسی طرح مضر چیزوں سے پناہ چاہنا بھی اس زمرہ میں آتا ہے۔

چھٹا ذکر اظہار فروتنی و نیازمندی ہے۔ یہ عبدیت (بندگی) انسان کا امتیازی وصف اور بڑا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلل و بندگی، عاجزی وسرافگندگی اور محتاجی و مسکینی کا اظہار کرنا ہی بندگی ہے۔ بندگی انسان کا مقصد تخلیق ہے، اسی مقصد کی تحصیل کے لیے نماز مقرر کی گئی ہے۔ نماز میں اور نماز سے باہر اذکار اور بہت سی دعائیں مشروع کی گئی ہیں۔

ساتواں ذکر توکل ہے۔ توکل کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا۔ اور توکل کی روح ہے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تام، یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ سب کچھ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، بندہ بذات خود کچھ نہیں کرسکتا۔ انسان کے تمام معاملات پر مکمل غلبہ انہی کو حاصل ہے، انہی کی تدبیر کارگر ہے، باقی تمام تدابیر مقہور و مغلوب ہیں۔ مگر توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ظاہری اسباب اختیار نہ کرے۔ صحیح توکل یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر اعتماد کرے، کام کا انجام ان پر چھوڑ دے اور جو کچھ غیب سے ظاہر ہو اس پر مطمئن رہے۔

آٹھواں ذکر استغفار ہے۔ استغفار کے معنی ہیں توبہ کرنا، اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگنا اور رحمت الٰہی کا جویاں ہونا۔ استغفار کی روح یہ ہے کہ آدمی اپنے ان گناہوں کو سوچے جنہوں نے اس کے نفس کو میلا اور گندہ کردیا ہے اور اسباب مغفرت اختیار کرکے نفس کو ان گناہوں سے پاک کرے۔ اسباب مغفرت نیک اعمال، اپنے احوال کو ملائکہ کے مشابہ کرنا اور ندامت کے آنسو بہانا ہیں۔

نواں ذکر اللہ کے ناموں سے برکت حاصل کرنا ہے۔ اللہ کے ناموں کی برکت ہی سے مخلوقات منور ہوتی ہیں، پس جو بندہ ان ناموں کی طرف متوجہ ہوگا، وہ اللہ کی رحمت کو خود سے قریب پائے گا۔

دسواں ذکر درود شریف ہے۔ نبی کریم ﷺ کے احسانات امت پر بے حساب ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ مومنین آپ ﷺ کا ذکر خیر کریں اور ہر وقت یاد رکھیں، اسی لیے درود مشروع کیا گیا۔'' (تحفۃ الالمعی: ۸/۴۲)

اس وقت جب کہ پورا ملک افراتفری کا منظر پیش کررہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ انفرادی و اجتماعی توبہ کی جائے، ذکر الٰہی کو اپنا شیوہ بنایا جائے، احادیث مبارکہ میں جو جو موقع محل کی دعائیں امت کو بتلائی گئی ہیں، ان کے سیکھنے سکھانے کا بھرپور اہتمام کیا جائے، بزرگوں سے تعلق استوار کیا جائے، ان کی مجالس کو غنیمت سمجھا جائے، ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا جائے، دل کی دنیا آباد کی جائے، روحانیت و ایمانیت کی شمع فروزاں کی جائے۔ جو اس حقیقت کو پالے گا، اُسے ایمان کی حلاوت و مٹھاس نصیب ہوگی اور ناامیدی و مایوسی کا طوفان خس و خاشاک دکھائی دے گا۔

مقاصدِ نکاح اور اُس کی اہمیت

ابومحمد علوی

''ایجاب وقبول'' کے مخصوص الفاظ کے ذریعہ مرد وعورت کے درمیان ایک خاص قسم کا دائمی تعلق اور رشتہ قائم کرنا نکاح کہلاتا ہے، جو دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کے صرف دولفظوں کی ادائیگی سے منعقد ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نکاح کو عبادت کا درجہ دیا۔ تمام مذاہب میں اس کو حلال قرار دیا۔ قرآن مجید میں اور اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی زبانی جابجا نکاح کے لئے اپنے بندوں کو ترغیب دی۔

نکاح کے بہت زیادہ فضائل وفوائد ہیں، بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' کچھ یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

نکاح کے دنیوی واُخروی فضائل

ا...... نکاح سنتِ انبیاء ہے:

ترجمہ: ''حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں انبیاء کرام (علیہم السلام) کی سنت میں سے ہیں: حیاء، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح''۔ (ترمذی، ج:۱،ص:۲۰٦)

۲...... بے نکاح مرد اور بے نکاح عورت محتاج اور مسکین ہے:

''ابن ابی نجیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مسکین ہے، مسکین ہے وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا: اگر چہ وہ بہت مال والا ہو تب بھی وہ مسکین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اگر چہ وہ بہت مال والا ہو، پھر فرمایا: مسکین ہے، مسکین ہے وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو، لوگوں

نے عرض کیا: اگر چہ بہت مالدار ہو تب بھی وہ مسکین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
ہاں! اگر چہ مال والی ہو‘‘۔ (مجمع الزوائد، ج:۴،ص:۳۲۸، بحوالہ معجم طبرانی اوسط)

نکاح کرنے سے دین اور دنیا کے بہت سے کام درست ہو جاتے ہیں اور مال کا جو مقصود اصلی ہے، یعنی راحت اور بے فکری، وہ اس مرد کو نصیب نہیں ہوتی، جس کی بیوی نہ ہو اور اس عورت کو بھی یہ راحت و آرام نصیب نہیں ہوتا، جس کا خاوند نہ ہو۔ اس لیے مال ہونے کے باوجود شادی نہ کرنے والے مرد و عورت کو اس حدیث میں مسکین کہا گیا ہے۔

۳......نکاح شرمگاہ کے گناہوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ’’اے جوانو! تمہیں نکاح کر لینا چاہیے، کیونکہ یہ نگاہ کو زیادہ جھکانے والا اور شرمگاہ کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہے، اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ روزے رکھے‘‘۔ (ترمذی، ج:۱،ص:۲۰۶)

بیشتر وہ لوگ جو نکاح کی استطاعت رکھتے ہوئے بھی نکاح نہیں کرتے، ان کے ذہن میں ہمیشہ زناکاری کا لاوا پکتا رہتا ہے اور زنا انسان کو یقینی طور پر ایمان سے کوسوں دور لے جاتا ہے۔ اب جو مسلمان شادی نہیں کرتا، وہ درحقیقت اپنے دین کو بھی داؤ پر لگانا چاہتا ہے۔ نکاح کے ذریعہ ان سب مسئلوں سے نجات ہے۔ اور اگر واقعی کوئی مجبوری ہے اور اصل تدبیر ’’نکاح‘‘ پر عمل نہیں کر سکتا تو پھر یہ علاج ہے جو حدیث شریف میں بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بدل یعنی ’’روزے‘‘ کو اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا، کیونکہ روزے سے نفسانی شہوت ٹوٹ جاتی ہے۔

۴...... بے نکاح آدمی شیطان کا بھائی اور آلۂ کار ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عَکَّافؓ (ایک صحابی کا نام ہے) سے فرمایا: اے عَکَّاف! کیا تیری بیوی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور تو مال والا، وسعت والا ہے؟ عرض کیا: ہاں! میں مال اور وسعت والا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس حالت میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے، اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو ان کا راہب ہوتا۔ بلاشبہ نکاح کرنا ہمارا طریقہ ہے، تم میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو بے نکاح ہیں اور مرنے والوں میں سب سے بدتر وہ ہیں جو بے نکاح ہیں، کیا تم شیطان سے لگاؤ رکھتے ہو؟ شیطان کے پاس عورتوں سے زیادہ کوئی ہتھیار نہیں، جو صالحین

کے لئے کارگر ہو۔مگر جولوگ نکاح کیے ہوئے ہیں، یہ لوگ بالکل مطہر ہیں اورفحش سے بری ہیں اورفرمایا: اے عکاف! تیرابرا ہو، نکاح کرلے، ورنہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگا۔ (مجمع الزوائد، ج:۴،ص:۳۲۵)

۵ ...... بے نکاح کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں:

ترجمہ:''جوشخص نکاح کرنے کی طاقت ہونے کے باوجود نکاح نہ کرے، وہ مجھ سے نہیں ہے(یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)''۔ (مجمع الزوائد، ج:۴،ص:۳۲۷)

نکاح نہ کرنا مسلمانوں کا شعار نہیں، بلکہ نصاریٰ کا طریقہ ہے، کیونکہ وہ نکاح نہ کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔عذر نہ ہونے کے باوجود نکاح نہ کرنا اور اُسے عبادت یا فضیلت سمجھنا رہبانیت کے زمرہ میں آتا ہے، جو اسلام میں جائز نہیں ہے۔

۶ ...... بے نکاح کا حضور ﷺ سے کوئی تعلق نہیں:

حدیث میں ہے کہ تین صحابیؓ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ایک زوجہ مطہرہؓ کے گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ کے احوال کے بارے میں معلوم کیا، جب ان کے سامنے آپ ﷺ کی عبادات کے احوال کو بیان کیا گیا تو انہوں نے آپ ﷺ کی عبادت کو کچھ کم خیال کیا، پھر کہنے لگے: ہمیں نبی کریم ﷺ سے کیا نسبت؟ آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔اب تینوں میں سے ایک نے کہا: میں تو اب ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا۔دوسرے نے کہا: میں تو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا۔تیسرے نے کہا: میں تو کبھی شادی نہیں کروں گا۔رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہداشت کرنے والا ہوں، مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني''۔

''میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔ (بخاری، ج:۲،ص:۷۵۷،۷۵۸)

غور کیجئے! جب صحابہؓ نے انسانی فطرت سے ہٹ کر الگ راستہ اختیار کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے غصہ کا اظہار فرمایا۔جس چیز کو وہ نیکی سمجھ رہے تھے، آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ اس عمل سے وہ اسلام سے قریب نہیں، بلکہ دور ہوں گے، شیطان کے وسوسوں میں الجھ کر تکلیف اٹھائیں گے، جنسی شہوت سے جنگ میں خود کو الجھائے رکھیں گے، یہ کنوارا ہونا ان کے لئے بے حد تلخ ہوگا، جس کی

شدت اور گناہ سے کم لوگ نجات پاتے ہیں۔

۷......نکاح کرنا آپ ﷺ کا طریقہ اور سنت ہے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

’’**من أحب فطرتي فليستن بسنتي ومن سنتي النكاح**‘‘۔ (مجمع الزوائد، ج:۴،ص:۳۲۷)

ترجمہ:......’’جو میری فطرت سے محبت رکھتا ہے، وہ میری سنت پر عمل کرے اور میری سنت میں سے نکاح بھی ہے‘‘۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ’’اگر میری زندگی کے صرف دس روز رہ جائیں، تب بھی میں شادی کر لینا پسند کروں گا، تاکہ غیر شادی شدہ حالت میں خدا کو منہ نہ دکھاؤں‘‘۔ (تحفۃ العروس)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ’’نکاح کرلو، کیونکہ ازدواجی زندگی کا ایک دن غیر شادی شدہ زندگی کے اتنے اتنے برسوں کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے‘‘۔ (تحفۃ العروس)

نکاح کے مقاصد وفوائد

مقصد نمبر:۱......نکاح عبادت ہے:

نکاح بذاتِ خود اطاعت اور عبادت ہے، اور نفل عبادت سے افضل ہے۔

مقصد نمبر:۲......تقویٰ کا حصول:

نکاح کا ایک بڑا مقصد پرہیزگاری اور تقویٰ ہے۔

مقصد نمبر:۳......جنسی تسکین کا ذریعہ:

فطری طور پر مرد وعورت کے اندر جنسی خواہشات رکھی گئی ہیں، لذت ایک ایسی شئے ہے جس کا طالب نہ صرف انسان ہے، بلکہ ہر حیوان اس کا طالب ہے۔ وہ بذاتِ خود قابل مذمت چیز نہیں ہے، قابل مذمت وہ اس وقت قرار پاتی ہے جب اس کا غلط استعمال کیا جائے اور امورِ خیر کو ترک کرکے ناروا مقامات کو اس کے استعمال کے لئے منتخب کیا جائے۔ اس فطری جذبے کو پورا کرنے کا حلال راستہ یہی نکاح ہے۔ نکاح چھوڑنے سے کئی فتنوں میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ رہتا ہے۔ قدرتی طور پر انسان کے اندر جو شہوت کا مادہ ہے، یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر نکاح نہ ہو تو ناجائز طریقے سے یہ تقاضا پورا کرنے کی طرف میلان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حرام سے بچنے کے لئے یہ حلال راستہ رکھا ہے۔

مقصد نمبر:۴......اولاد کا حصول:

اولاد کا طلب کرنا بھی نکاح کے مقاصد میں سے ہے، نسل انسانی کی بقا بھی اسی سے ممکن ہے۔ اس

مقصد کے حصول پر حدیث میں بڑی تاکید آئی ہے کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہوں۔

مقصد نمبر: ۵ ......امت محمدیہؐ کے افراد میں اضافہ:

امت محمدیہ کے افراد کا زیادہ ہونا بھی ایک اہم مقصد ہے، جس کی حضور ﷺ نے تمنا فرمائی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں تمہاری کثرت پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔اسی طرح قومی طاقت اور توانائی کا دارومدار کثرتِ آبادی اور ان کی مادی اور اندرونی قوت پر منحصر ہے۔

مقصد نمبر: ۶ ......آرام وراحت کا حصول:

نکاح کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ وہ سکون وآرام اور راحت کا ذریعہ ہے، جی بہلانے کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ‘‘۔ (الروم:۲۱)

ترجمہ:’’ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تم میں سے جوڑے بنائے، تاکہ تم ان سے آرام پکڑ واور تم میں محبت اور نرمی رکھ دی‘‘۔

مقصد نمبر: ۷ ......طبی طور پر جسمانی امراض سے بچاؤ:

نکاح کئی بیماریوں اور امراض سے بچاؤ کا بھی ذریعہ ہے۔ نکاح نہ کرنے والے مادہ منویہ روکنے کے مرض میں مبتلا ہوجاتے ہیں، کیونکہ انسان کا یہ مادہ جب کافی عرصہ تک بند رہتا ہے تو اس کا زہریلا اثر دماغ تک چڑھ جاتا ہے، اور بسااوقات اُنہیں مالیخولیا کا مرض لاحق ہوجاتا ہے۔

نیویارک مینٹل ہاسپٹل کے میڈیکل انچارج ڈاکٹر ہاولبرگ کہتے ہیں:

’’مینٹل ہاسپٹل میں عام طور پر مریض اس تناسب سے داخل ہوتے ہیں کہ ان میں ایک شادی شدہ ہوتا ہے تو چار غیر شادی شدہ ہوتے ہیں‘‘۔ (تحفۃ العروس)

برٹلن کے ترتیب دیئے ہوئے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ شادی شدہ جوڑوں کی نسبت غیر شادی شدہ کہیں زیادہ خودکشی کے مرتکب ہوتے ہیں، جبکہ اکثر شادی شدہ افراد کی دماغی اور اخلاقی حالت نہایت متوازن اور ٹھوس ہوتی ہے، ان کی زندگی میں ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ اور جیسا کجروا اور سوداوی مزاج بہت سارے بن بیاہے نوجوانوں کا ہوتا ہے، شادی شدہ جوڑوں میں اُس طرح نہیں پایا جاتا۔ نیز یہ بھی مشاہدہ ہے کہ شادی شدہ خواتین ہر چند کہ بچہ جننے، ماں بننے اور خانہ داری اور ازدواجی زندگی، غرض زندگی کے بے شمار مسائل میں گھری ہوتی ہیں، پھر بھی دوسری غیر شادی شدہ عورتوں کے مقابلہ میں ان کی عمریں خاصی طویل ہوتی ہیں اور وہ ان کے مقابلہ میں زیادہ مطمئن اور خوش ہوتی ہیں۔

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر رحمہ اللہ کی یاد میں

اب اُنہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

ڈاکٹر خالد محمود سومرو

بہت سارے لوگ دنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، ان کا نام تک نہیں رہتا، مگر کچھ ایسے بھی اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں، جو عوام وخواص کے دلوں پر حکومت کر کے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بھی محبوب ہوتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے بھی محبوب ہوتے ہیں۔ ان کا دائرہ کار لوگوں کے عقائد کی اصلاح، عوام کی اصلاح وفلاح، دعوت الی اللہ، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ مقصد عالمگیر اور ہمہ جہت ہے، اس لیے اس کا اثر بھی عالمگیر اور ہمہ جہت ہوتا ہے، اور ایسی شخصیات بھی عالمگیر اور ہمہ جہت بن جاتی ہیں، اسی لیے فرمایا گیا کہ: ''**موت العالِم موت العالَم**'' ......یعنی ''ایک عالم کی موت پورے جہاں کی موت ہوتی ہے'' گویا کہ جب ایک عالم کامل یہ جہاں چھوڑتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جہاں یتیم ہوجاتا ہے۔

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ گویا کہ ایک عالِم کی موت نے عالَم کو یتیم کردیا۔ حضرت والاؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا مقام عطا فرمایا تھا، ان کے ذریعے سے رشد وہدایت کا ایک طویل سلسلہ قائم تھا، آپؒ اکابر کی یادگار تھے۔ آپؒ کی وفات سے امت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، آپ امت کے لیے بارانِ رحمت سے کم نہ تھے۔

جس طرح ایک نبی انسانوں کے قلوب کو فتح کرتا ہے اور پھر ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت بسا دیتا ہے، اسی طرح ایک ولی بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانوں کے قلوب کو مسخر کرتا ہے اور ان کے دلوں میں اللہ کی محبت کو بھر دیتا ہے۔ ایک عالم، ایک فاضل، ایک ولی اللہ، ایک رہبر ورہنما، ایک پیر طریقت، ایک مرشد کامل، ایک عارف باللہ اور ایک داعی الی اللہ کی حیثیت سے ان کے مقام کا تعین علماء کرام، اولیاء اللہ اور اللہ کے برگزیدہ بندے ہی کرسکتے ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں کی تعداد بیشمار ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں بھی ان کا ایک ادنیٰ سا عقیدت مند تھا اور ہوں۔ اب سوچتا ہوں کہ

یہ اللہ پاک کا میرے اوپر کتنا بڑا احسان اور کتنا بڑا کرم تھا کہ مجھے زندگی میں کچھ وقت حضرت والاؒ کی خدمت میں گزارنے کا موقع ملا، اس پر میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں، وہ کم ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ: حضرت والاؒ کا وجود ایک گھنے سایہ دار درخت کی مانند تھا، جس کے سائے تلے بہت سارے لوگوں نے اپنا تھوڑا یا زیادہ وقت بڑے آرام اور اطمینان کے ساتھ گزارا۔ آپؒ کی خانقاہ میں ذکر وفکر کی مجالس، علمی اور روحانی بیانات اور شریعت اور طریقت کے اسباق جس طرح پڑھائے جاتے تھے، اس سے قرونِ اولیٰ کے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، پتھر دل موم بن جاتے تھے۔ ان کے بیانات، ملفوظات اور ارشادات کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ: کاتب تقدیر نے ان کی ذات کو انسانوں کی ہدایت کے لیے خصوصی طور پر منتخب کیا تھا۔ سید کائنات ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''دنیا سے علم یوں اٹھایا جائے گا کہ اہل علم دنیا سے اٹھا لیے جائیں گے''۔

یہ قربِ قیامت کی علامت ہے کہ علماء کرام، مشائخ عظام اور اہل اللہ رحلت فرمانے لگیں۔ حضرت والاؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ صدیوں میں بھی پُر نہیں ہو سکے گا، آپؒ کی رحلت سے صرف آپؒ کے متعلقین، مریدین اور عقیدت مند ہی یتیم نہیں ہوئے، بلکہ پوری امت یتیم ہوگئی ہے، ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت والاؒ توحید وسنت کے علمبردار تھے اور شرک وبدعات کی بیخ کنی کے لیے تیغ بے نیام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں عاجزی، انکساری، تواضع، حلم وبردباری، تقویٰ، طہارت، اخلاص اور للّٰہیت کی صفات کو کُوٹ کُوٹ کر بھر دیا تھا۔ آپؒ کی خانقاہ پر انواع واقسام کے غمگین اور دکھی لوگ حاضر ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنی قلبی تشنگی کو مقدور بھر سیرابی اور سیر چشمی سے ہمکنار کر کے شاداں اور فرحاں واپس جایا کرتے تھے۔ کئی لوگ بے بسی اور بے کسی کے پہاڑ لے کر بے قرار اور بے چین روحوں اور اسفار کی صعوبتوں سے نڈھال ہو کر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور بڑا سکون اور بڑا چین لے کر واپس ہوتے تھے۔ آپؒ کی خدمت میں بہت سارے لوگ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ حاضر ہوتے تھے، اور آپؒ بڑی محبت سے ان کے دلوں میں جوڑ لگایا کرتے تھے۔ آپؒ روحانی بیماریوں کے علاج کے ماہر ڈاکٹر اور اسپیشلسٹ تھے۔ آپ ایک عالم باعمل، ایک صوفی باصفا، ایک محبت بھرے انسان، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے عاشقِ صادق، قرآن اور سنت کی پاکیزہ تعلیمات کے عظیم مبلغ اور اپنے دور کے بہت بڑے داعی الی اللہ تھے۔ آپؒ کی وفات سے پورا چمن اداس نظر آ رہا ہے:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

آپؒ کی وفات کی وجہ سے دل حزیں ہے، قلب غمگین ہے، جگر شق ہونے کو ہے، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، اس لیے کہ برصغیر ایک ایسی عظیم ہستی سے محروم ہوگیا ہے، جس کا وجود اُمت مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا عطیہ تھا۔ بلا شبہ حضرت والاؒ عالم اسلام کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ جانے والے تو چلے جاتے ہیں، لیکن نقصان ان کا ہوتا ہے جو باقی رہ جاتے ہیں۔ حضرت والاؒ جیسی نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے تمام فتنوں کو روکنے والا دروازہ بنایا ہوتا ہے، جب یہ لوگ تشریف لے جاتے ہیں تو گویا وہ دروازہ ٹوٹ جاتا ہے اور نئے نئے فتنے سر اٹھانے لگتے ہیں، جس سے ہم جیسے کمزور لوگ پریشان ہوجاتے ہیں، اور پھر کوئی ایسا بندہ بھی نظر نہیں آتا جو مستجاب الدعوات ہو کہ چلو اپنے اعمال کے ذریعے نہ سہی، بزرگوں کی دعاؤں سے باطل پر غلبہ حاصل کرلیں۔ جب اللہ والے اٹھ جاتے ہیں تو صورتحال کچھ یوں ہوجاتی ہے:

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا! کوئی دیوار ہی نہیں

جب ہم حضرتؒ کی خدمت میں آتے تھے، ان کے ملفوظات سنتے تھے تو بڑے بڑے حقائق منکشف ہوجاتے تھے۔ حضرت والاؒ کی زندگی امراض باطنہ کے علاج میں گزری۔ حضرتؒ کی خانقاہ سے بہت سارے بیمار شفایاب ہوئے۔ ان کے بیانات کا خلاصہ یہ ہوتا تھا کہ انسان صرف ظاہری ڈھانچے کا نام نہیں، بلکہ اس کا اصل جوہر اس کا باطن ہے، جس کو قلب اور روح کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں بھی یہ بتلایا گیا ہے کہ: انسان کے ظاہری اعمال کی صحت وفساد اور بناؤ و بگاڑ بھی اس کے باطن کے بناؤ اور بگاڑ پر موقوف ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ: جس طرح ظاہری بدن کبھی تندرست ہوتا ہے اور کبھی بیمار ہوتا ہے اور تندرستی قائم رکھنے کے لیے غذا وغیرہ سے تدبیر کی جاتی ہے اور بیماریوں کو دفع کرنے کے لیے دواؤں سے علاج کیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح انسان کے باطن کی تندرستی کی تدبیر اپنے خالق اور مالک کو پہچاننا، اس کا ذکر اور شکر کرنا، اور اس کے احکام کی ہمہ وقت اطاعت کرنا ہے، اور اس کی بیماری اللہ کی یاد سے غفلت، اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ یہ دل کی بیماریاں کفر، شرک، نفاق، حسد، کینہ، تکبر، نخوت، حرص، بخل، حب جاہ اور حب مال وغیرہ ہیں۔ اور تندرستی یہ ہے کہ اپنے مالک حقیقی کو پہچانے، تمام نفع نقصان، تکلیف اور راحت کا مالک اس کو سمجھے، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، کوئی تکلیف پیش آئے تو صبر سے کام لے، تمام معاملات میں اللہ پر بھروسہ کرے، اس کی رحمت سے اُمید رکھے، اس کے عذاب سے ڈرتا رہے، اس کی رضا جوئی کی فکر کرے، اور انتہائی سچائی، ایمانداری اور اخلاص کے ساتھ اس کے تمام احکام بجالائے۔

قرآن مقدس میں ارشاد ربانی ہے کہ:

"وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ". (بنی اسرائیل:۸۲)

ترجمہ:......’’ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے وہ چیز جو شفا اور رحمت ہے مومنین کے لیے‘‘۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

’’قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ‘‘. (حم السجدۃ:۴۴)

ترجمہ:......’’آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت ہے اور شفا‘‘۔

لیکن باطنی بیماریوں اور ان کے علاج میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ ظاہری بیماریاں تو آنکھوں اور دُوسرے حواس سے محسوس کی جاسکتی ہیں، نبض کی حرکت خون اور فضلات کا امتحان کرکے معلوم کی جاسکتی ہیں، ان کے معالجات بھی محسوس آلات اور دواؤں سے کیے جاتے ہیں۔ لیکن باطنی امراض نہ آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں، نہ نبض وغیرہ سے ان کو پہچانا جاسکتا ہے، اسی طرح ان کا علاج بھی محسوس غذاؤں اور دواؤں سے نہیں ہوتا، ان امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز صرف قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے اُصولوں ہی سے ہوسکتی ہے۔

قرآن وسنت میں انسان کے ظاہری اعمال او معاملات اور باطنی عقائد اور اخلاق سب ہی کی اصلاح کا مکمل نظام موجود ہے۔ اُمت میں صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ سے لے کر موجودہ زمانے کے صالحین کاملین تک جس کو جو کچھ حاصل ہوا ہے، وہ صرف اسی نظام عمل کی مکمل پابندی سے ہوا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکاۃ اور نکاح وطلاق اور اس قسم کے دیگر معاملات کو علم فقہ میں اور اعمالِ باطنہ میں سے عقائد کو علمِ عقائد میں اور اخلاق اور معاشرت کو علم تصوف میں جمع کردیا گیا ہے۔ مگر ایک طویل زمانے سے عام مسلمانوں کی اکثریت اپنی غفلت کے نتیجہ میں علوم دینیہ سے بے بہرہ ہوتی چلی جارہی ہے، خاص طور پر آخرالذکر علم جس کا تعلق اصلاحِ باطن سے ہے، وہ تو ایسا متروک ہوچکا ہے کہ عوام تو عوام، خواص یعنی علماء کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس سے لاتعلق ہوکر رہ گئی ہے، جس کی وجہ سے بہت بڑی خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں۔ شاید لوگوں نے صرف اعمال ظاہرہ کو ہی کامل اور مکمل دین سمجھ لیا ہے۔ صدق واخلاص، توحید وتوکل، صبروشکر، تقویٰ وپرہیزگاری کے الفاظ صرف زبانوں پر ہی رہ گئے۔ حب جاہ، حب مال، کبرونخوت، غیظ وغضب، کینہ وحسد جیسے مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کی فکر بھی دلوں سے محو ہوکر رہ گئی۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ اپنے ظاہر کو تو ہم نے کچھ نہ کچھ شریعت کے مطابق بنادیا ہے، ظاہری اعمال کی بھی ہم کچھ نہ کچھ پابندی کرہی لیتے ہیں، تاکہ لوگوں کی نظروں سے گر نہ جائیں۔ ایسے گناہوں سے بھی کسی نہ کسی حد تک ہم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں، جو گناہ عوام کی نظر میں علم اور علماء کے منصب کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن باطنی گناہوں سے جو ظاہری گناہوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، اپنے آپ کو بچانے کی کوئی فکر نہیں کرتے اور اس حوالے سے ہمارا حال انتہائی قابل تشویش ہے۔

یہاں پر ہم سب کو اپنے نفس سے ایک سوال کرنا چاہیے کہ نماز روزے کا اہتمام اور چوری، بدمعاشی، عیاشی، سودخوری، رقص وسرود اور کھیل تماشوں کی محفلوں سے اجتناب اگر واقعی خوف خدا کے

نتیجہ میں ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ ہم لوگوں سے چُھپ چُھپا کر ایسے گناہ کیا کرتے ہیں، جن سے شیطان بھی شرما جاتا ہے؟ ان مواقع پر خوفِ خدا اور فکر آخرت ہمارے سامنے کیوں نہیں آتے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ ہمارا ظاہری تقویٰ صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے ہم نے اختیار کیا ہوا ہے، اس لیے ہم صرف ان گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، جن کی وجہ سے ہماری امامت اور خطابت پر حرف آتا ہے۔ باقی جن باطنی گناہوں پر جبہ ودستار کا پردہ ڈالا جاسکتا ہے، ان کو ہم نے شیر مادر سمجھ کر اختیار کیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری تقریروں میں، خطبوں میں اور بیانات میں کوئی اثر نہیں، اللہ والوں کی خانقاہوں میں، ان باطنی بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے اور اللہ والوں کی صحبت کی وجہ سے دلوں میں خشیت الٰہی، تقویٰ و پرہیزگاری اور اخلاص اور سچائی پیدا ہوجاتی ہے۔

حضرت والاؒ اللہ تعالیٰ کے ذاکر بندوں میں سے تھے، وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے تھے، قرآن کریم میں بھی ان لوگوں کو عقلمند کہا گیا ہے، جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمان اور زمین کی چیزوں میں فکر کرتے ہیں، اور بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں کہ: ''اے پروردگار! یہ سب آپ نے بیکار میں پیدا نہیں کیا، بلکہ ایک مقصد کے لیے دنیا کو امتحان گاہ بنایا ہے، اصل تو آخرت ہے تو آپ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا دیجئے''۔

ایک عقل معاد ہے: یعنی وہ عقل جو آخرت کے لیے استعمال ہو، اور دوسری عقل معاش ہے: یعنی وہ عقل جو دنیا کے لیے کمائی کے نت نئے طریقوں کے لیے استعمال ہو۔ لوگ عام طور پر عقل معاش والے کو عقلمند سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل تو عقل معاد ہے، جو آخرت بنانے کے لیے استعمال ہوتی ہے، عقل معاش تو کافروں کو بھی حاصل ہے۔

جسے ذکر مل گیا، اسے ولایت الٰہی اور محبت الٰہی کا دُستور مل گیا۔ آدمی اگر ذاکر نہیں تو غافل ہے اور غافل سے شیطان اس طرح کھیلتا ہے، جس طرح کھلاڑی گیند سے کھیلتا ہے۔ ذکر کی برکت سے غفلت نکل جاتی ہے، اور آدمی کو فضول کاموں سے نفرت ہوجاتی ہے۔ ذکر کرتے کرتے ذکر جاری ہوجاتا ہے اور ذکر کا ایسا مزاج بن جاتا ہے کہ آدمی ذکر کو چھوڑنا بھی چاہے تو چھوڑ نہیں سکتا، ذکر اس کی طبیعت بن جاتا ہے، ذکر اس کی زندگی بن جاتی ہے، ذکر اس کی خوراک بن جاتی ہے، ذاکر بندہ ذکر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ حضرت والاؒ کی خانقاہ میں ذکر الٰہی کی ضربیں لگتی تھیں، جن کی وجہ سے مردہ دل زندہ ہوجاتے تھے۔ اللہ والوں کی صحبت سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں، بیمار دل تندرست ہوجاتے ہیں، اور غافل دل غفلت سے نکل آتے ہیں۔ اللہ والوں کی صحبت سے نیکیوں سے محبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ شیطان ہر ایک سے ایک جیسے گناہ نہیں کراتا، بلکہ شیطان ہر شخص سے اس کے لحاظ سے گناہ کرواتا ہے، مثلاً: وہ علماء اور دین داروں کو حسد، بغض، کینہ، غیبت، حب جاہ اور حب مال کی بیماریوں میں مبتلا کرتا ہے۔ عورتوں کو فیشن اور بے پردگی کی بیماریوں میں مبتلا کردیتا ہے۔ طلبہ کو ذہنی

انتشار میں گرفتار کر دیتا ہے، اور فکر معاش ان پر مسلط کر دیتا ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد تو اپنا پیٹ کس طرح پالے گا۔ اللہ والوں کی صحبت میں ذکر کی برکت سے ان بیماریوں میں مبتلا لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صحتیاب ہو جاتے ہیں؟ ان کو اللہ پر اعتماد ہو جاتا ہے، وہ احساس کمتری سے باہر نکل آتے ہیں، ان کو ایمان کی حلاوت اور اسلام کی لذت محسوس ہونے لگتی ہے، جس طرح میلے کچیلے سیپ میں چھپے ہوئے موتی کو اپنی قیمت معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح عام طور پر ایک کلمہ پڑھنے والے کو بھی اپنی قدر و قیمت کا حقیقی اندازہ نہیں ہوتا، لیکن اللہ والوں کی صحبت سے اس پر حقیقت کھل جاتی ہے۔

آج کل ہمارے اکثر علماء وطلبہ کوفنون تو بہت آتے ہیں، لیکن وہ ان فنون سے علم کی عمارت کو بنا نہیں پاتے۔ علم کی عمارت تزکیۂ قلب کے بغیر بن ہی نہیں سکتی۔ ہزار اینٹوں کا جمع کر دینا الگ بات ہے، لیکن ان اینٹوں سے عمارت تعمیر کرنا الگ بات ہے، اللہ والوں کی صحبت سے یہ گُر حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ والوں کے بیانات سے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی زندگیاں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں، بہت ساری مغرب زدہ خواتین اللہ والوں کے بیانات سننے کے نتیجہ میں صالحہ بن جاتی ہیں، ان میں عفت اور پاکدامنی، حسن اخلاق، نماز کی پابندی، قرآن وسنت کے احکامات کی پاسداری اور تقویٰ اور پرہیز گاری پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت والاؒ کے ایمان افروز بیانات کے نتیجہ میں بے شمار لوگوں کو ہدایت ملی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ پاک اپنے اس محبوب بندے کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائے، ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے، ان کے جانشینوں کو جانشینی کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور مجھ سمیت حضرت کے تمام عقیدت مندوں کو صبر جمیل کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں متبع سنت بنائے، اور زندگی بھر قرآن اور سنت کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!۔

☆☆☆

ایصالِ ثواب کی درخواست

جامعہ کے سابق استاذ مفتی محمد ولی درویش رحمہ اللہ کے بڑے بھائی جناب صوبیدار سیف الرحمٰن صاحب ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰؍جولائی ۲۰۱۳ء بوقت شب ۱۲ بجے آبائی وطن میں انتقال کر گئے۔ قارئین بینات سے ان کے ایصالِ ثواب اور مغفرت کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

بینک میں فریڈم اکاؤنٹ کھولنا

اور بینک سے قرض لینے یا دینے کا حکم!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام وعلمائے عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

ہم نے حبیب بینک میں ایک اکاؤنٹ فریڈم اکاؤنٹ کے نام سے کھولا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ بینک کو ہم ۲۵۰۰۰ (پچیس ہزار) روپے دیتے ہیں، جس کے عوض میں وہ ہمیں چند سہولتیں مفت فراہم کرتا ہے: ۱- چیک بک، ۲- اسٹیٹمنٹ، ۳- ایک شہر سے دوسرے شہر کو پیسے منتقل کرنے کی سہولت۔ (ان سب صورتوں میں ہم سے کوئی چارجز وصول نہیں کیے جاتے) نیز دوسرے لوگ بھی ہمارے اس فریڈم اکاؤنٹ سے مفت میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن یہ سب سہولتیں اس بنیاد پر ہوتی ہیں کہ ہمارے ۲۵۰۰۰ (پچیس ہزار) روپے رکھے ہوئے ہیں، اگر مہینے میں ۲۵۰۰۰ (پچیس ہزار) روپے سے بیلنس کم ہوجائے (چاہے وہ ایک ہی دن کیوں نہ ہو) تو مذکورہ ماہ میں کسٹمر (یعنی گاہک) کی جانب سے کی جانے والی ہر ڈیبٹ ٹرانزیکشن پر ۵۸ روپے چارجز لاگو ہوں گے، یعنی اس مہینے میں جو سہولت بینک نے ہمیں دی تھی، وہ ختم کردیتا ہے اور پورے مہینے کے چارجز وصول کرلیتا ہے اور یہ بھی کہ اگر ہم کبھی اپنی رقم نکلوانا چاہیں تو پوری رقم ہمیں دی جاتی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے:

۱:......فریڈم اکاؤنٹ کھولنا اور اس کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانا شریعت میں کیسا ہے؟

۲:......اور کیا ہم بینک والوں سے قرض لے اور دے سکتے ہیں؟

۳:......اور کیا ہم بینک والوں کا کھانا کھا سکتے ہیں؟

۴:......اور بینک والوں کا مکان کرائے پر لے سکتے ہیں یا نہیں؟

تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

وضاحت:

ہماری جمع کردہ رقم پر کوئی سود نہیں لگتا، بلکہ ہمارے مطالبے کے وقت ہمیں جمع شدہ رقم ہی واپس کی جاتی ہے۔

مستفتی: عبدالجبار، سائٹ ٹاؤن کراچی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

۱...... واضح رہے کہ بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں جو رقم رکھی جاتی ہے، اس کی حیثیت قرض کی ہے، گویا صارف نے بینک کو قرض دیا ہوا ہے۔

دکتور عبدالرزاق سنہوری فرماتے ہیں:

''إذا كانت الوديعة مبلغاً من النقود أو أى شيئ آخر مما يهلك بالاستعمال، وكان المودع عنده مأذوناً له فى استعماله اعتبر العقد قرضاً''۔ (الوسیط فی شرح القانون المدنی،عقدالودیعۃ،الفصل الرابع،۵۳۷/۷،ط:داراحیاءالتراث العربی)

آگے لکھتے ہیں:

''وأكثر ما ترد الوديعة الناقصة على ودائع النقود فى المصارف حيث تنتقل ملكية النقود إلى المصرف ويرد مثلها بل ويدفع فى بعض الأحيان فائدة عنها، فيكون العقد فى هذه الحالة قرضاً أو حساباً جارياً ...... على أن هناك من الفقهاء من يميّز بين الوديعة الناقصة والقرض وسترىٰ فيما يلى إلاّ جدوىٰ من هذا التمييز''۔ (ایضاً،۵۵۷/۷)

آگے چل کر فیصلہ سناتے ہیں:

''والصحيح إذن أنه لامحل للتمييز بين الوديعة الناقصة والقرض''۔ (أیضاً،۵۵۷/۷)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فریڈم اکاؤنٹ کھولنا جائز نہیں، کیونکہ اس اکاؤنٹ کو کھولنے کے لیے ضروری ہے کہ صارف کے اکاؤنٹ میں پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) روپے ہوں، یہ صارف کا بینک کو قرضہ دینا ہے اور اس کے ذریعہ درج ذیل فوائد حاصل کرتے ہیں: ۱- مفت چیک بکس، ۲- اسٹیٹمنٹ، ۳- مفت منی ٹرانسفر (ایک شہر سے دوسرے شہر رقم کی منتقلی)

حالانکہ قرض دے کر اس کے بدلہ فائدے حاصل کرنا جائز نہیں، اسے شریعت نے سود کہا ہے:

فتاویٰ شامی میں ہے:

''وفى الأشباه: كل قرض جر نفعاً حرام''۔ (الدرالمختار،کتاب البیوع،فصل فی القرض،۱۶۶/۵،ط:سعید)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فریڈم اکاؤنٹ کھولنا جائز نہیں، باوجود اس کے کہ وہ کرنٹ اکاؤنٹ ہے، کیونکہ یہ قرض منفعت کے ساتھ مشروط ہے۔

۲...... عام طور پر بینک سے قرضہ لینا اور اسے قرضہ دینا، سود کے معاملہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ سود کی اسلام میں کسی طور اجازت نہیں، لہٰذا ہر وہ قرض جو سود پر مشتمل ہو، اس کا لین دین حرام ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

''وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوا''۔ (البقرۃ:۲۷۵)

ترجمہ:''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے''۔(بیان القرآن)

نبی کریم ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

''عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰه ﷺ آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهده وقال: هم سواء''۔ (مشکاۃ المصابیح،کتاب البیوع،باب الربا ۱/۲۴۴،ط:قدیمی)

ترجمہ:......''حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سود لینے والے پر، سود دینے والے پر، سودی لین دین کا کاغذ لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر، سب پر لعنت فرمائی ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ سب (اصل گناہ میں) برابر ہیں۔ (مظاہر حق جدید،۳/۶۸،ط: دارالاشاعت)

۳...... بینک میں کام کرنے والے ملازم کی آمدنی کا ذریعہ صرف بینک ہی ہو یا بینک کے علاوہ کوئی اور آمدنی کا ذریعہ بھی ہو، لیکن بینک کی کمائی زیادہ ہو تو ایسے لوگوں سے کھانے، پینے کی کوئی چیز لینا جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''آكل الربا وكاسب الحرام أهدىٰ إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لايقبل ولايأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن كان غالب ماله حلالاً لابأس بقبول هديته والأكل منها، كذا في الملتقط''۔ (الفتاویٰ الہندیۃ،کتاب الکراہیۃ،الباب الثانی عشر،۵/۳۴۳،ط:رشیدیۃ)

۴...... بینک والوں کا مکان کرائے پر لینا مکروہ ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

''رجل اكتسب مالاً من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه: إما أن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً، ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها

ودفعها أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم أو اشترى بدراهم آخر ودفع تلك الدراهم...... وقال الكرخيؒ: في الوجه الأول والثاني لايطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخيؒ دفعاً للحرج عن الناس"۔ (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المتفرقات، ۵/۲۳۵، ط:سعید)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالمجید دین پوری	شعیب عالم	محمد عمران ممتاز
		متخصص فقہ اسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی